اکابر دیوبند بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی
کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر گجرات

فہرست

شیخ المشائخ......اور......امام اہل سنتؒ
حضرۃ مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ 2
عقیدہ حیات قبر......اور......امام قرطبی رحمہ اللہ
مولانا نور محمد تونسوی مدظلہ...... 4
مسئلہ وحدۃ الوجود......اور......آل غیر مقلدیت
مولانا مفتی رب نواز 8
زبیر علی زئی......کا......تعاقب
مولانا مفتی رب نواز 11
توہین رسالت کا مسئلہ......اور......عمار خان ناصر
مولانا مفتی عبدالواحد 16
سربراہان وفاق المدارس کے نام'' کھلا خط
مولانا نور محمد تونسوی مدظلہ...... 53
شیخ المشائخ نمبر اکابرین ومبصرین کی نظر میں
مولانا محمد نافع مدظلہ العالی............55

12 شماروں کا......زر تعاون 240

ناشر:......مظہریہ دارالمطالعہ

برائے ترسیل زر و رابط
0334-4612774ہ

بفیضان
قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

بیاد
امام اہل سنت حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ
شیخ المشائخ ،امام الاولیاء مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ
مفسر قرآن مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
ترجمان اہل سنت حضرۃ مولانا نذیراللہ خان رحمہ اللہ
فخر اہل سنت حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ
شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ
امین ملت حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ
وکیل صحابہ حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ
محقق اہل سنت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ

بدعا
وکیل صحابہ حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی مدظلہ
حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ

زیر سرپرستی
جانشین قائد اہل سنت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہ
جانشین فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ
امام الصرف والنحو ،نمونہ اسلاف مولانا محمد حسن مدظلہ
جانشین شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہ

زیرنگرانی
جانشین امام اہل سنت مولانا عبدالقدوس قارن مدظلہ
جانشین امین ملت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہ

مجلس مشاورت
مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی......مولانا منظور احمد نعمانی
مولانا نور محمد تونسوی...... مولانا قاری عبدالرحمٰن ضیاء
مولانا مفتی جمیل الرحمٰن...... مولانا مفتی محمد شاہد مسعود
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ...... مولانا جمیل الرحمٰن عباسی
مولانا عبدالجبار سلفی...... محترم اشتیاق احمد صاحب
مولانا ندیم الرشید...... مولانا احمد طاہر

مدیر مسئول: احسن خدامی
مدیر: حمزہ احسانی

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ العالی

شیخ المشائخ رحمہ اللہ......اور......امام اہل سنت رحمہ اللہ

حضرت مولانا خان محمد صاحب رحمہ اللہ کی چند خصوصیات:

حضرت مولانا خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''دارالعلوم دیوبند'' کے فاضل تھے،اور امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ وہ بھی ''دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی کرامت کا فیض ایسا مبارک کیا کہ ایک طرف حضرت مولانا خان محمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کی خدمت کرنے کیلئے اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے جو توفیق مرحمت فرمائی وہ اپنی جگہ پر معروف ہے،معلوم ہے۔حضرت مولانا سرفراز خان صفدر (رحمۃ اللہ علیہ) کو بھی اہل السنّت والجماعت کے معتدل مسلک،جس کو ''مسلک علمائے دیوبند'' بھی کہا جاتا ہے اس کی خدمت کی بہترین اور اعلیٰ درجے میں توفیق عطا فرمائی۔حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے احقر کا تعلق قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے،حضرت کے خطوط بھی میرے پاس آتے رہے ہیں،کئی مرتبہ حضرت والا کی خدمت میں حاضری کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔حضرت مولانا (خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کا ایک خاص امتیاز تھا ''اخفائے حال'' کا۔ وہ جس مرتبے پر فائز تھے،اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو مقام بلند ان کو عطا فرمایا تھا،اس کے بعد اخفاء میں انہوں نے اتنی کوشش کی،اتنی کوشش کی،آپ یوں سمجھئے کہ گفتگو کرنا ہی ختم کر دیا،وہ نہ کہیں بات فرماتے تھے،نہ کہیں تقریر کرتے تھے،نہ کہیں مضمون کی اشاعت کرتے تھے،خاموش رہتے تھے،بالکل خاموش۔ان کی بارگاہ میں حاضری دینے والوں کی جماعت،سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں ہوتی تھی اور وہ سب کیلئے دعائے خیر فرماتے تھے۔تو گویا ان کا نمایاں امتیاز ''اخفائے حال'' کا تھا۔لوگ اپنے آپ کو ظاہر کرنے کیلئے کیا کیا جتن کرتے ہیں اور کیا کیا طریقے اختیار کرتے ہیں! لیکن وہاں ان طریقوں کو یکسر نظر انداز کر کے وہ ''اخفاء'' کا اہتمام کرتے تھے۔

دوسرا ایک امتیاز جو میں نے محسوس کیا وہ یہ کہ وہ اپنے اوقات کے بہت سختی سے پابند تھے،ان کے ہاں یہ نہیں ہوتا تھا کہ کسی کام کیلئے کوئی وقت مقرر کیا گیا ہو اور پھر اس میں آدھے گھنٹے کی تاخیر ہو رہی ہو،یا ایک گھنٹے کی تاخیر وہ وقت کی پابندی بہت اہتمام سے فرماتے تھے۔

اس کے علاوہ تیسری ایک بات میں نے یہ محسوس کی کہ وہ بہت حاضر دماغ انسان تھے،اُن کا دماغ

بہت متیقظ تھا اور وہ غفلت کا شکار کبھی نہیں ہوتے تھے۔ یہاں چونکہ مجھے کوئی تفصیلی گفتگو ان کے حوالے سے نہیں کرنی ہے' اس لئے اپنے چند تاثرات کا میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا۔[ا] ''اخفائے حال'' کا بہت زیادہ اہتمام تھا، [۲] ''وقت کی پابندی'' بہت اہتمام سے فرمایا کرتے تھے۔ [۳] اس کے علاوہ حالات حاضرہ سے بے خبر نہیں رہتے تھے' حالات کا علم ان کو ہوتا تھا۔

امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ:

وہ امام اہل سنت کے مقام پر فائز ہوئے، اللہ نے ان کو جیسی اسلام کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی' وہ آپ حضرات کے علم میں ہے۔ مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ علمائے دیوبند کے ساتھ اپنی وابستگی کا جس قوت کے ساتھ اظہار فرماتے تھے اس کا ان کے ایک ارشاد سے انداز ہوتا ہے' فرماتے ہیں:

> ''میں اگر کسی مسئلے میں تحقیق کروں اور تحقیق بلیغ کے بعد کسی ایک نکتۂ نظر اور کسی ایک رائے پر میں پہنچ جاؤں' تحقیق بھی خوب کی اور تحقیق خوب کرنے کے بعد پھر ایک رائے بھی میری بن گئی اور اس رائے کے بعد پھر میں نے یہ دیکھا کہ علمائے دیوبند کی رائے سے میری رائے میں ذرا سا اختلاف اور ذرا سا تضاد ہے تو میں...... اپنی رائے کے کاغذ کو پھاڑ کر پھینک دوں گا اور علمائے دیوبند نے جو رائے دی ہے اس کو اختیار کروں گا......''

کتنی قوت کے ساتھ انہوں نے یہ بات کہی! آپکو معلوم نہیں ہے کہ ان کی تحقیق کا عالم یہ تھا کہ وہ کوئی بات بغیر حوالہ کے نہیں کرتے اور حوالے کے لیے بعض اوقات ساری ساری رات گزر جاتی تھی حوالہ تلاش کرنے میں، اور جب تک وہ حوالہ نہیں مل جاتا تھا ان کو تسلی اور اطمینان نہیں ہوتا تھا۔

اور ایسا محقق جب ایک رائے قائم کرتا ہے اس رائے کے اوپر اس کو اعتماد بھی ہوتا ہے، لیکن وہ کہتے ہیں کہ ''اگر میری رائے علمائے دیوبند کی رائے سے مختلف ہوئی تو میں اپنے رائے پھاڑ کر پھینک دوں گا اور علمائے دیوبند نے جو فیصلہ کیا ہے اسی کو اختیار کروں گا۔''

حضرت مولانا سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن کریم کے ساتھ جو شغف تھا اس کا بھی آپ کو علم ہوگا۔ اپنی مسجد کے اندر بھی درس دیتے تھے، اسی طرح ''دارالحدیث'' میں آ کر حدیث کا سبق شروع کرنے سے پہلے قرآن کریم کا درس دیتے تھے اور سالانہ بھی ان کے ہاں درس کا اہتمام ہوتا تھا۔ اللہ نے ان سے بڑی خدمت لی ہے۔ [اقتباس از بیان برموقع تقریب ختم بخاری شریف، جامعہ فاروقیہ کراچی]

[بشکریہ ماہنامہ ''وفاق المدارس'' ملتان]

مولانا نور محمد تونسوی

عقیدہ حیاتِ قبر......اور......امام قرطبی رحمہ اللہ

برادران اسلام! احمد پور شرقیہ کے نواحی علاقہ ھتھیجی میں ''حیات النبی'' کے موضوع پر آج سے تقریباً نو سال پہلے ایک مناظرہ منعقد ہوا تھا، اہل سنت کی طرف سے حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مناظر مقرر تھے، جبکہ اہل بدعت کی طرف سے علامہ نصر اللہ مناظر مقرر تھے۔ اہل سنت کے مناظر نے یہ ثابت کرنا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں متصف بحیات ہیں، جبکہ اہل بدعت کا مناظر ہر قسم کی حیات سے انکاری تھا۔ اس مناظرہ کی پوری روئیداد حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی نے کیسٹوں سے نقل کر کے شائع بھی کرا دی ہے، بندہ عاجز نے اس مناظرہ کا مقدمہ بھی لکھا تھا جو کہ اس روئیداد کے ساتھ چھپ چکا ہے، البتہ ایک بات جواب طلب باقی رہ گئی تھی اور وہ یہ تھی کہ مماتی مناظر نے امام قرطبی رحمہ اللہ کی ایک عبارت پیش کی اور اس سے اپنا عقیدہ باطلہ ثابت کرنے کی کوشش کی، وہ عبارت یہ ہے ''فی الدنیا حیٌ وفی القبر میتٌ وفی الاخرۃ مبعوث'' مماتی مناظر امام قرطبی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں بالکل مردہ ہوں گے اور ان میں کسی قسم کی حیات نہ ہوگی''، حالانکہ یہاں مماتی مناظر سراسر دھوکہ دے رہا ہے، امام قرطبی رحمہ اللہ کا عقیدہ قطعاً مماتیوں والا نہیں ہے، امام موصوف رحمہ اللہ اہل سنت کی طرح ''حیاتِ قبر'' کے قائل ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ انہی ارضی قبروں میں بوقت سوال اعادۂ روح ہوتا ہے اور قبر کی جزا، سزا روح اور دنیا والے جسد دونوں پر وارد ہوتی ہے، بلکہ امام موصوف نے ''عذابِ قبر'' کے منکر کو ''ملحد'' قرار دیا ہے۔ نیز امام موصوف رحمہ اللہ عقیدہ ''حیات النبی'' پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر الشریف پڑھا جانے والا درود وصلوٰۃ وسلام بنفسِ نفیس سنتے ہیں اور دور سے پڑھا جانے والا صلوٰۃ وسلام بذریعہ ملائکہ آپ کی ذات اقدس پر پیش کیا جاتا ہے۔ بلکہ امام قرطبی رحمہ اللہ عام موتی کے سماع کے بھی قائل ہیں۔ امام موصوف رحمہ اللہ نے اپنے یہ عقائد شرح وبسط کے ساتھ اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''التذکرہ فی احوال الموتیٰ وامور الآخرۃ'' میں بیان فرمائے ہیں اور ہر عقیدہ کو کتاب وسنت کے روشن دلائل سے ثابت فرمایا ہے، یہ کتاب اہل علم کے لیے لائق مطالعہ اور نہایت مفید اور معلومات افزا ہے۔ بندہ عاجز ''تفسیر قرطبی'' کے چند حوالہ جات پیش کرتا ہے

کیونکہ مماتی مناظر نے تلبیس سے کام لے کر ''تفسیر قرطبی'' کی ایک عبارت پیش کر کے عوام الناس کو یہ تأثر دیا ہے کہ امام قرطبی ہمارا ہم عقیدہ ہے، حالانکہ یہ سفید جھوٹ ہے اور **تاویل القول بمالا یرضیٰ به القائل** کی شرم ناک مثال ہے۔ بہر حال اب بندہ عاجز امام قرطبی رحمہ اللہ کا عقیدہ ان کی تفسیر سے ثابت کرتا ہے۔

عقیدہ حیات النبی اور امام قرطبی رحمہ اللہ

امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''**روىٰ ابو صادق عن علی، قال: قدم علینا اعرابی بعد ما دفنا رسول الله صلی الله علیه وسلم بثلاثة ایام، فرمیٰ بنفسه علیٰ قبر رسول الله صلی الله علیه وسلم وحثاعلیٰ رأسه من ترابه، فقال: قلت یا رسول الله! فسمعنا قولک، ووعیت عن الله فوعینا عنک، وکان فیما انزل الله علیک (وَلَو اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَلَمُوۡا اَنۡفُسَهُمۡ [الآیة]) وقد ظلمتُ نفسی، وجئتک تستغفر لی، فنودی من القبر: انه قد غفر لک.**'' [تفسیر قرطبی، جلد ۵، ص ۲۵۵]

ترجمہ: ابو صادق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے دفن کیا، اس کے تین دن بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا اور آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گر پڑا اور قبر مبارک سے مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈالی اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے ارشاد فرمایا اور ہم نے سنا، اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے جو باتیں محفوظ کی ہیں ہم نے آپ سے سن کر وہ باتیں محفوظ کر لیں اور جو کچھ اللہ نے آپ پر اتارا اُن میں یہ آیت بھی ہے ''**وَلَو اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَلَمُوۡا اَنۡفُسَهُمۡ**'' [الآیۃ] اور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ میرے لیے استغفار فرمائیں، یعنی میرے لیے دعائے مغفرت فرمائیں، پس قبر سے آواز دی گئی کہ تیری بخشش کر دی گئی ہے۔

امام قرطبی نے حضرت علیؓ کا یہ اثر بلا نکیر نقل کر کے اپنا عقیدہ بتایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور زائرین کا کلام سنتے ہیں، لہٰذا یہاں اس اثر کی سند پر بحث کرنا فضول ہے۔ عقیدہ حیات انبیاء آیات قرانیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور دلائل اپنی جگہ پر اٹل ہیں، یہاں تو ہمارا مقصد امام قرطبی کا عقیدہ ثابت کرنا ہے، سو وہ ثابت ہو چکا ہے۔

عقیدہ عذابِ قبر اور امام قرطبی رحمہ اللہ:

امام قرطبی ارشاد باری تعالیٰ ''**کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَکُنۡتُمۡ اَمۡوَاتاً فَاَحۡیَاکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ**'' [**البقرہ: ۲۸**] کے تحت لکھتے ہیں:

''**وقال السدی: امیتوا فی الدنیا، ثم احیاهم فی القبور للمسائلة، ثم امیتوا، ثم احیوا فی الآخرة، وانما صار الیٰ هٰذا لان لفظ ''المیت'' لاینطلق فی العرف علیٰ**

"النطفة" واستدل العلماء من هٰذا فی اثبات سوال القبر، ولو کان الثواب والعقاب للروح دون الجسد فما معنیٰ الاحیاء والاماتة؟"

[تفسیر قرطبی، ج:١٥،ص ٢٦١، تحت آیت ربنا امتنا اثنتین واحییتنااثنتین]

ترجمہ: سدی نے کہا کہ لوگ دنیا میں موت دیئے جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کو قبر میں قبر کے سوال کے لیے زندہ کرے گا، پھر موت دیئے جائیں گے، پھر آخرت میں زندہ کیے جائیں گے اور یقیناً اس تفسیر کی طرف اس لیے رجوع کیا کہ لفظ ''میت'' عرف میں ''نطفہ'' پر نہیں بولا جاتا اور علماء نے اس آیت سے قبر کے سوال کے اثبات میں استدلال کیا ہے۔اور اگر قبر کا ثواب وعقاب صرف روح کے لیے ہوتا اور جسد اس میں شامل نہ ہوتا تو زندہ کرنے اور مارنے کا کیا مطلب؟''

معلوم ہوا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ کے نزدیک قبر میں مردہ کو حساب وکتاب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے اور قبر کا ثواب وعقاب روح اور جسدِ دنیوی دونوں کے لیے ہوتا ہے۔

مسئلہ سماعِ موتیٰ اور امام قرطبی رحمہ اللہ:

امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فلو لم یسمع المیت لم یسلّم علیہ.وهٰذا واضح، وقدبینّاہ فی کتاب التذکرہ"[تفسیر قرطبی،جلد١٣،ص١٨،تحت آیت انك لاتسمع الموتیٰ]

ترجمہ: پس اگر میت نہ سنتی تو اس پر کلام نہ کیا جاتا،یعنی میت پر سلام کرنا اس کے سماع کی دلیل ہے اور یہ واضح بات ہے اور بتحقیق بیان کیا ہم نے اس کو اپنی کتاب "التذکرہ"،میں۔''

پس تفسیر قرطبی سے واضح ہوگیا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ ''حیاتِ قبر'' خصوصا ''حیات انبیاء'' کے قائل ہیں اور ان کے سماع کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور عام مردوں کے سماع بھی قائل ہیں اور روح اور جسد دونوں کو قبر کی جزاسزا میں شامل سمجھتے ہیں۔

مماتی مناظر کی خیانت:

امام قرطبی رحمہ اللہ کا مسلک واضح ہوجانے کے بعد مماتی مناظر کی خیانت ملاحظہ فرمایئے کہ جو شخص ان کا ہم عقیدہ نہیں ہے خوامخواہ بزورِ بازو ان کو اپنا ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کررہے ہیں اور یہ خیانت تقریباً تمام اہل بدعت میں قدرِ مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے۔یقین جانیے کہ اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ میں کوئی ایک ایسا عالم دین نہیں جو ان کا ہم عقیدہ ہو،لیکن یہ لوگ اپنی اس خیانت کو بروئے کار لاتے ہوئے تمام علماء اسلام کی ادھوری اور غیر متعلقہ عبارتیں پیش کرکے ان کو اپنا ہم عقیدہ ثابت کرنے کی سعی ناتمام کرتے ہیں اور یہ لوگ یہی حال کتاب وسنت کے ساتھ کرتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کا خانہ زاد عقیدہ نہ تو کتاب

وسنت سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی عالم دین سے، ان لوگوں کے پاس بس یہی خیانت ہے جس کے بل بوتے پر اپنے عقیدہ کو چلتا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مسلک اہل سنت پر استقامت نصیب فرمائے اور ہر قسم کی بے راہ رَوی اور گمراہی سے محفوظ رکھے اور سلف صالحین کی تشریحات کی روشنی میں کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مماتی مناظر کی طرف سے پیش کردہ عبارت کا جواب:

مماتی مناظر کا استدلال دراصل لفظ ''میت'' سے ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کی عبارت میں ''**فی القبر میتاً**'' کہا گیا ہے، لیکن مماتیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ''**مات یموت موتاً**'' کی نسبت سے اور اطلاقِ میت سے حیاتِ قبر وبرزخ کی نفی قطعاً نہیں ہوتی حتیٰ کہ بعض اوقات تو اطلاقِ میت سے حیات دنیوی کی بھی نفی نہیں ہوتی، دیکھیے قرآن مجید کی آیت ''**اِنَّکَ مَیِّتٌ وَاِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ**'' میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کو مخالفوں کو ''میت'' کہا گیا، حالانکہ جب یہ آیت اتری اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخالفین زندہ موجود تھے اور باوجود اس کے آپ پر اور آپ کے مخالفین پر ''میت'' کا اطلاق ہوا۔ پس ثابت ہوا کہ جب بعض اوقات اطلاقِ میت سے حیات دنیوی کی نفی نہیں ہوتی تو حیات قبر وبرزخ کی نفی بطریقِ اولیٰ نہ ہوگی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''**وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَات، بل احیاء ولکن لا تشعرون**'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''**لمن یقتل**'' کہ کر شہداء کے لیے ''موت'' تسلیم کی ہے، لیکن ساتھ ہی ان کو زندہ بھی کہا ہے، پس قرآن مجید کے اس اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ ''موت'' اور ''میت'' کے اطلاق سے ''حیات برزخی'' کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔

اسی طرح بخاری شریف میں روایت موجود ہے ''**المیّت یعذّب فی قبرہٖ**'' اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''میت'' کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے، اب ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردہ مدفون کو ''میت'' بھی کہا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذابِ میت ''حیاتِ میت'' کی دلیل ہے، کیونکہ اگر میت میں کسی قسم کی حیات اور ادراک وشعور نہ مانا جائے تو اس کو عذاب دینے کا کیا فائدہ؟ معلوم ہوا کہ کہ ''میت'' میں اتنا ادراک اور شعور ضروری ہے جس سے اس کو یہ احساس ہو کہ میں عذاب میں ہوں یا راحت میں۔

پس ثابت ہوا کہ اطلاقِ ''میت'' سے ''حیات قبر وبرزخ'' کی نفی نہیں ہوتی اور جو لوگ کہیں ''میت'' کا لفظ دیکھ کر ''حیات قبر وبرزخ'' کی نفی کر دیتے ہیں وہ درحقیقت ''علامہ'' کی بجائے ''الامہ'' ہیں۔ **وما علینا الاالبلاغ**

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

مسئلہ وحدۃ الوجود......اور......آل غیر مقلدیت

(......قسط نمبر 2......)

ابن عربی کا مسلک

آل غیر مقلدیت کے مایہ ناز مصنف زبیر علی زئی غیر مقلد نے ابن عربی کو وحدۃ الوجود کا بڑا داعی لکھا ہے۔(توضیح الاحکام، جلد ا۔صفحہ ۶۳)

وحدۃ الوجود کے یہ بڑے داعی غیر مقلدین کی تصریح کے مطابق اہلحدیث وغیر مقلد تھے۔

ا......غیر مقلدین کی کتاب ''الحیات بعد الممات'' میں لکھا ہے:

''شیخ (میاں نذیر حسین دہلوی، ناقل) کو پچھلے زمانہ میں سید الطائفہ حضرت شیخ اکبر محی الدین بن العربی رضی اللہ عنہ کا ہی مسلک راجح معلوم ہوا جیسا کہ فتوحات مکیہ جلد ثانی ۱۸۳ مطبوعہ مصر میں مرقوم ہے **"والتقليد فی دين الله لايجوز عندنا،لاتقليد حی ولا ميت."** اللہ کے دین میں ہمارے ہاں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے، نہ زندہ کی نہ مرہ کی۔'' (الحیات بعدالممات ص ۱۶۲)

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے نزدیک ابن عربی تارکِ تقلید بلکہ مخالف تقلید ہیں۔

۲......کرم الجلیلی صاحب غیر مقلد نے ''مانعین تقلید کے اسمائے گرامی'' کا عنوان قائم کرکے پندرہویں نمبر پر ''حضرت شیخ محی الدین بن عربی'' لکھا ہے۔(صحیفہ اہلحدیث ۱۶ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ۔صفحہ ۱۳)

۳......امام اہلحدیث وحید الزمان صاحب، ابن عربی کی تردید کرنے والوں کے متعلق لکھتے ہیں:

"لو نظروا فی الفتوحات لعرفوا ان الشيخ رحمه الله من اهل الحديث اصولا وفروعا ومن اشد الرادين علىٰ ارباب التقليد"

اگر یہ لوگ فتوحات مکیہ کو دیکھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ بلاشبہ شیخ (ابن عربی) رحمہ اللہ اصول وفروع میں اہلحدیث ہیں اور ارباب تقلید پر سخت رد کرنے والوں میں سے ہیں۔'(ہدیۃ المہدی ج ا، ص ۵۱)'

۴......علماء کرام خوب جانتے ہیں کہ ابن عربی کا تعلق صوفیا کرام سے ہے اور ابوالاشبال احمد صغیر شاغف غیر مقلد کی تصریح کے مطابق صوفیا کا گروہ تارک تقلید بالفاظ دیگر غیر مقلد ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ترکِ تقلید صوفیوں کا بھی مسلمہ اصول ہے اور اہلحدیث کا بھی۔'' (مقالات شاغف، ص ۲۶۵)

معلوم ہوا کہ بتصریح شاغف صوفیا کرام غیر مقلد ہیں اور انہی صوفیاء میں ابن عربی ہیں۔

۵......امام اہلحدیث وحید الزمان صاحب، ابن عربی کے متعلق لکھتے ہیں:

''وہ تو مسلمان اور پھر اہلحدیث میں سے تھے۔'' (تیسیر الباری، ج۴، ص۳۲۶)

ابن عربی کا مقام و مرتبہ

۱......امام خان نوشہروی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''میاں (نذیر حسین دہلوی) صاحب مرحوم علمائے متقدمین کی بہت عزت کرتے، شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کا نام شیخ اکبر اور اکثر خاتم الولایۃ المحمدیہ کے خطاب سے پکارتے۔''

(تراجم علمائے حدیث ہند، ص۱۴۶)

میاں نذیر حسین دہلوی کے سوانح نگار فضل حسین بہاری صاحب لکھتے ہیں:

''صحیح بخاری وغیرہ کتب صحاح میں آپ جس وقت کتاب الرقاق پڑھاتے اور نکات تصوف کو بیان فرماتے تو خود کہتے، صاحبو! ہم تو احیاء العلوم کو یہاں دیکھتے ہیں، اسی لیے طبقہ علماء کرام میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی بڑی تعظیم کرتے اور خاتم الولایۃ المحمدیہ فرماتے۔'' (الحیات بعد الممات، ص۲۲۴)

۲......فضل حسین بہاری صاحب مذکورہ عبارت تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اور بات بھی یہی ہے، علم ظاہر و باطن کی ایسی جامعیت ندرت سے خالی نہیں۔'' (حوالہ مذکورہ)

۳......میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شیخ اکبر کبریت احمر۔'' (معیار الحق، صفحہ۱۸۹)

۴......غیر مقلدین کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں:

''نواب (صدیق حسن خان) صاحب مرحوم، شیخ ممدوح (ابن عربی) کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مولانا نذیر حسین المعروف حضرت میاں صاحب دہلوی شیخ ممدوح کو ''شیخ اکبر'' لکھتے ہیں۔ (معیار الحق، ص۱۲۸) حضرت مجدد سرہندی بھی شیخ موصوف کو مقربان الٰہی سے لکھتے ہیں......خاکسار کی ناقص رائے میں بھی شیخ ممدوح قابل عزت لوگوں میں ہیں۔ رحمہ اللہ۔'' (فتاویٰ ثنائیہ، صفحہ۳۳۴، جلد۱)

۵......امام اہلحدیث وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''ہمارے اصحاب میں سے شیخ صفی الدین نے کہا کہ ابن عربی کے متعلق میرا مذہب شیخ الاسلام حافظ سیوطی والا ہے اور وہ ان (ابن عربی) کی ولایت کا عقیدہ رکھنا ہے۔'' (هدیة المهدی، ج۱، ص۵۱)

وحیدالزمان صاحب نے ابن عربی کو علمائے اہلحدیث کا پیشوا بھی قرار دیا ہے۔

(لغات الحدیث، ج۲،ص۱۳، کتاب ص)

۶......نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں:

"بالجملة فماله من المنامات والكرامات لاتحصره مجلدات وهو حجة الله الظاهرة وآياته الباهرة."

خلاصہ کلام یہ کہ شیخ ابن عربی کے خوابوں اور کرامات کا احاطہ کئی جلدوں میں بھی نہیں ہوسکتا، وہ اللہ کی ایک ظاہری حجت و دلیل اور واضح نشانیوں میں سے ہیں۔'' (التاج المکلل، صفحہ ۱۷۶)

نواب صاحب نے ابن عربی کی تعریف و توصیف اور ان کے دفاع میں چھ سات صفحات خرچ کیے ہیں، آخر میں لکھا:

"فجزاه الله عنا وعن سائر المسلمين وافاض علينا من انواره وكسانا من حلل اسراره وسقانا من حمياشرابه وحشرنا في زمرة احبابه بجاه سيد اصفياه وخاتم انبياء ه صلى الله عليه وسلم.

پس اللہ تعالٰی انہیں ہماری اور سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے انوارات سے ہمیں مستفید فرمائے، ان کے اسرار و باطن کا لباس ہمیں پہنائے، ان کی شراب علم کی حرارت سے ہمیں سیراب فرمائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ و مرتبہ کے صدقہ میں ہماری یہ دعا قبول فرمائے۔'' (التاج المکلل، صفحہ ۱۸۰)

۷......فیاض علی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شیخ محی الدین ابن العربی رضی اللہ عنہ جو علماء ابرار اور صوفیاء کبار میں سے ہیں۔''

(اہلحدیث اور سیاست، صفحہ ۲۰۷)

۸......عبدالسلام مبارکپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''صوفی صافی امام محی الدین ابن عربی۔'' (سیرۃ البخاری، صفحہ ۳۰۹)

۹......داؤد غزنوی صاحب غیر مقلد کے حالات میں لکھا ہے:

''آپ نے ابن عربی کا تذکرہ تعظیم و تکریم کے ساتھ کیا۔'' (سوانح مولانا داؤد غزنوی، ص ۸۸)

داؤد غزنوی صاحب نہ صرف ابن عربی کو معظم و مکرم سمجھتے ہیں بلکہ وہ انہیں اپنا بزرگ بھی قرار دیتے ہیں، ان کی ایسی عبارات ہمارے اس مضمون میں ''ابن عربی کا دفاع'' کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ (جاری۔۔۔)

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

زبیر علی زئی......کا......تعاقب

(......قسط نمبر 1......)

وکیل اہلحدیث محمد حسین بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

''امام شافعی اور حافظ ابن القیم کے یہ اقوال فرقہ اہلحدیث کے ان جہلاء اور بعض پیروان خواہش کے لیے ایک عبرت خیز وہدایت انگیز تازیانہ ہے جو لفظ ''تقلید ومقلد'' کے نام سے چونک اٹھتے ہیں اور یہ الفاظ سنتے ہی ایسے چڑتے اور جلتے ہیں جیسے دیہاتی سکھ بانگ سننے سے، یا متعصب ہندو کلمہ پڑھنے سے۔''

(اشاعة التوحید والسنة، جلد ۲۳، صفحہ ۱۲۵)

بٹالوی صاحب نے ''تقلید'' کو اذان وکلمہ سے اور ''تقلید'' کے مخالف کو دیہاتی سکھ ومتعصب ہندو سے تشبیہ دی ہے......تقلید سے چڑنے والے لوگوں میں آل غیر مقلدیت کے قابل قدر بزرگ زبیر علی زئی مماتی پیردادی کا نام نمایاں ہے، انہوں نے اپنے مختلف رسائل میں ''تقلید'' کے خلاف بہت سی باتیں بے پر کی ہانکی ہیں اور کئی مقامات پر غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ ذیل میں اس کی کچھ نشاندہی کی جاتی ہے۔

میں ''مقلد'' ہوں:

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''کسی مستند عالم سے یہ قول ثابت نہیں ہے کہ ''اَنَا مُقَلِّدٌ''، میں مقلد ہوں۔''

[دین میں تقلید کا مسئلہ، صفحہ ۴۶]

تعاقب:

زبیر صاحب کی مذکورہ بات غلط ہے۔ فریقین کی عبارتیں ان کی اس بیان کردہ بات کی تردید کرتی ہیں۔ ذیل میں وہ تمام عبارات نقل کی جاتی ہیں، مگر ابتدا کرتے ہیں خود زبیر علی زئی صاحب کے کلام سے:

۱......زبیر صاحب نے ''اصحاب الحدیث کون؟'' کا عنوان قائم کرکے اپنی خاص غرض کی خاطر ایک مناظرہ نقل کیا ہے، جس کا ابتدائی حصہ اس طرح ہے:

''ابوطاہر برکتہ الحوذی الواسطی نے کہا: میں نے مالک اور شافعی کی افضلیت کے بارے میں

ابوالحسن المغازلی سے مناظرہ کیا، چونکہ میں شافعی المذہب تھا لہٰذا شافعی کو افضل قرار دیا اور وہ مالکی المذہب تھے لہٰذا انہوں نے مالک کو افضل قرار دیا۔'' (ماہنامہ ''الحدیث'' شمارہ نمبر ۵۶)

ابوطاہر الواسطی کا یہ کہنا ''میں شافعی المذہب تھا'' اپنے مقلد ہونے کا اقرار ہی تو ہے۔

۲......غیر مقلدین کی کتاب ''الحیاۃ بعدالمماۃ'' میں لکھا ہے:

''میاں (نذیر حسین دہلوی) صاحب نے فرمایا کہ: بناءً علی الاجتہاد میں بعض مسائل میں ''مقلد'' ہوں اور بعض میں مجتہد۔'' (الحیاۃ بعدالمماۃ، صفحہ ۳۹۵)

۳......وکیل اہلحدیث محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

''مسائل غیر منصوصہ اجتہادیہ میں ہم اکثر مسائل میں امام الائمہ ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی ''تقلید'' کرتے ہیں اور مع ہٰذا بعض مسائل میں دیگر ائمہ مجتہدین کی ''پیروی وتقلید'' کرتے ہیں۔

(اشاعۃ السنۃ، جلد ۲۳، ص ۱۲۸)

بٹالوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''خاکسار کو جو ''سبیل الرشاد'' میں کئی جگہ ''سرگروہ فرقہ غیر مقلدین'' کہا گیا ہے، یہ مجھے ناگوار گذرا ہے۔ ہم لوگ جو اس گروہ سے علم کی طرف منسوب ہیں، منصوصات میں قرآن وحدیث کے پیرو ہیں اور جہاں نص نہ ملے وہاں صحابہ، تابعین وائمہ مجتہدین کی ''تقلید'' کرتے ہیں، خصوصا ائمہ مذہب حنفی کی، جن کے اصول وفروع کی کتب ہم لوگوں کے مطالعہ میں رہتی ہیں۔ اگر ہم کو عام مسلمانان اہل سنت سے ممتاز کر کے کوئی خصوصیت کے ساتھ خطاب دینا ہے تو ''اہلحدیث'' کا خطاب دیا جاوے، اس سے بھی زیادہ خصوصیت کرنی ہو ''اہلحدیث حنفی'' کہا جائے۔'' (اشاعۃ السنۃ، جلد ۲۳، صفحہ ۲۹۰)

اس عبارت کا عکس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی کتاب ''تاریخ ختم نبوۃ''، ص ۴۵۵ پر دیکھا جاسکتا ہے۔

زبیر صاحب! بٹالوی صاحب کا یہ کہنا کہ ''ہم تقلید کرتے ہیں'' اپنے ''مقلد'' ہونے کا اقرار ہے یا انکار؟

۴......مجدد آل غیر مقلدیت نواب صدیق حسن خان صاحب نقل کرتے ہیں:

''قال الشافعی فی مواضع من الحجج قُلتُه تقلید العطاء''

امام شافعی نے بہت سے مقامات میں کہا ہے کہ میں نے عطاء کی ''تقلید'' میں یہ کہا ہے۔''

(الجنۃ، صفحہ ۶۸۔ بحوالہ الکلام المفید، صفحہ ۴۱)

زبیر صاحب تو کہتے ہیں کہ کسی مستند عالم نے اپنے آپ کو ''مقلد'' نہیں کہا، جبکہ نواب صاحب کی

"الجنۃ" بتارہی ہے کہ نامی گرامی امام نے ''تقلید'' کرنے کا بالفاظ دیگر اپنے ''مقلد'' ہونے کا اقرار کیا ہے۔

۵......ارشادالحق اثری غیر مقلد نے اپنے ایک خاص مقصد کے حصول کے لیے حافظ ابو شامہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان نقل کیا ہے کہ:

''میں تمام صحابہ کی ''تقلید'' کرتا ہوں اور ان کے خلاف اپنی رائے کو صحیح نہیں سمجھتا، سوائے تین: انس بن مالک، ابوہریرہ اور سمرہ بن جندب۔'' (توضیح الکلام، صفحہ ۹۸۸، طبع جدید)

زبیر صاحب! بتایئے صحابہ کرام کی ''تقلید'' کا اقرار اپنے ''مقلد'' ہونے کا اقرار ہے یا نہیں؟

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا ارشادالحق اثری حفظہ اللہ کی لاجواب کتاب "توضیح الکلام"۔''

(نورالعینین، ص۴۷)

نہ معلوم زبیر صاحب "توضیح الکلام" کے مذکورہ مقام کو بھی ''لاجواب'' سمجھتے ہیں یا اس کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں؟

۶......میر ابراہیم سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں:

''شیخ محمد بن عبدالوہاب حنبلی مذہب کے ''مقلد'' تھے۔ چنانچہ یہ بات ان کے اپنے خطبے سے بھی ظاہر ہے جو انہوں نے حرم محترم میں ہر چہار مذہب کے نامی گرامی علماء کے سامنے بیان کیا کہ:

''بے شک ہمارا مذہب اصول میں تو اہل السنۃ والجماعۃ ہے، نیز ہم فروع میں امام احمد بن حنبل کے مذہب پر ہیں اور جو شخص ائمہ اربعہ میں سے کسی کا بھی ''مقلد'' ہو اُسے ہم برا نہیں جانتے۔''

(تاریخ اہلحدیث، ص۱۷۲)

اس بیان میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اپنے ''حنبلی مقلد'' ہونے کا اعلان کیا ہے اور یہ بھی معلوم رہے کہ غیر مقلدین اس حنبلی مقلد کو ''شیخ الاسلام'' کہتے ہیں۔ (مقدمہ محمد بن عبدالوہاب، ص۱۵، صادق خلیل)

۷......غیر مقلدین کی کتاب ''تذکرہ اہل صادق پور'' میں لکھا ہے کہ:

مولانا ولایت علی صاحب نے فرمایا:

''میں حنفی المذہب ہوں اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ اگر کوئی حنفی کسی حدیث صریح غیر منسوخ کو دیکھ کر کسی مسئلہ فقہی کے خلاف عمل کرے تو مذہب حنفی سے خارج نہیں ہوتا۔''

(تذکرہ اہل صادق پور، ص۱۵۷۔ مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ، کراچی)

۸......مولانا حیدر علی ساکن ریاست ٹونک، تلمیذ رشید شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''میں خود حنفی مذہب کا ''مقلد'' ہوں، اگر کوئی اس مذہب پر طعن کرے تو میں سینہ سپر ہو کر کلہ بہ کلہ جواب دینے کو تیار ہوں۔'' (الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۲۳۰)

غیر مقلدین کی کتاب ''معیار الحق'' میں مولانا موصوف کو ''عالم متبحر'' تسلیم کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''مولوی سید حیدر علی ساکن قصبہ ٹونک جو عالم متبحر، جامع معقول اور منقول، شاگرد رشید مولانا شاہ عبدالعزیز اور مولانا شاہ رفیع الدین قدس سرہما کے تھے۔'' (معیار الحق، صفحہ ۱۲۹)

۹......میر محمد ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد اپنی کتاب ''تاریخ اہلحدیث'' حصہ سوم کی ابتدا میں لکھتے ہیں:

''اس حصہ کتاب کو ہم ان ارباب فضیلت کے ذکر سے زیب دیتے ہیں جن کی علمی یا عملی مساعی کی برکت سے ہندو پنجاب میں علم و عمل بالحدیث کی بنیاد پڑی اور اشاعت ہوئی۔'' (تاریخ اہلحدیث، ص ۴۳۰)

ہند میں علم حدیث کی بنیاد رکھنے اور اس کی اشاعت کرنے والے ارباب فضیلت علماء میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمہ اللہ کا تذکرہ بھی میر سیالکوٹی صاحب نے کیا ہے اور ان کو خود نوشت حالات میں سے درج ذیل ''اعترافِ تقلید'' بھی نقل کیا ہے:

''جانِ جاناں نام، مظہر تخلص......حنفی مذہب اور نقشبندی مشرب۔'' (تاریخ اہلحدیث، ص ۴۵۵)

مرزا مظہر رحمہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ''حنفی المذہب'' لکھ کر اپنے ''مقلد'' ہونے کا اقرار کیا ہے۔

۱۰......زبیر علی زئی صاحب کے شیخ الشیخ یعنی دادا اُستاد ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالحی لکھنوی تو اپنے آپ کو ''حنفی'' لکھتے تھے۔'' (فتاویٰ ثنائیہ، ج ۲، ص ۱۵۳)

لکھنوی صاحب نے لکھا ہے:

تقلیدِ امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کو سب کی تقلید سے احسن سمجھتا ہوں اور میں انہیں کا ''مقلد'' ہوں مسائل اجتہادیہ میں۔'' (فتاویٰ عبدالحی لکھنوی، ج ۱، ص ۳۹۵)

تنبیہ: فتاویٰ عبدالحی ہمیں دستیاب نہیں، ہم نے یہ عبارت ایک شخص کے غیر مطبوعہ مضمون سے نقل کی ہے، اگر یہ عبارت ''فتاویٰ عبدالحی'' میں ہے تو فبہا، ورنہ میرا اس سے رجوع ہے۔

۱۱......زبیر علی زئی صاحب کے پرچہ میں مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کا ارشاد ''ملفوظاتِ طیبات'' کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ:

''میں قادری حنفی ہوں۔'' (ماہنامہ ''الحدیث''، ش ۸۲، ص ۳۲)

۱۲......مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''تو جان لے کہ کوئی فن ایسا نہیں جس میں میری کوئی نہ کوئی رائے نہ ہو، مگر فقہ میں مَیں خالص ''مقلد'' ہوں۔'' (فیض الباری، ج۳،ص۱۷۔مقام ابی حنیفہ،ص۲۸۴)

۱۳......زبیر علی زئی صاحب نے شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کا ارشاد ''تقریرِ ترمذی'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:

''ہم ''مقلد'' ہیں، ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی ''تقلید'' واجب ہے۔'' (دین میں تقلید کا مسئلہ، ص۲۴)

ہمارے نزدیک اس عبارت کا انتساب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی طرف مشکوک ہے، کیونکہ ''تقریر ترمذی'' کا مرتب مجہول ہے، اس لیے ہم نے اس کو بطورِ الزام نقل کیا ہے، کیونکہ زبیر علی زئی صاحب سمیت قریباً سارے غیر مقلد اسے حضرت شیخ الہند ہی کا کلام سمجھتے ہیں۔

اگر زبیر علی زئی صاحب یہ تاویل کریں کہ وہ اپنے ''مقلد'' ہونے کے اقراری تو ہیں مگر ''مستند عالم'' نہیں، تو ہم غیر مقلدین کے ''شیخ الاسلام'' اور ''مذہبی ہیرو'' ثناء اللہ امرتسری صاحب کی شہادت پیش کرتے ہیں، وہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو ''بڑے پایہ کے عالم'' قرار دیتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''یہاں چونکہ مولانا محمود الحسن صاحب کا ذکر آ گیا ہے اس لیے ممدوح کی شخصیت کے متعلق چند فقرے عرض کردوں تو بے جا نہ ہوگا: موصوف بڑے پایہ کے عالم تھے، ہر فن کی تعلیم دیتے تھے مگر حدیث کے ساتھ آپ کو خاص اُنس تھا۔'' (فتاویٰ ثنائیہ، ج۱،ص۴۶)

۱۴......حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مذہب حنفی کے التزام کے باوجود امام شافعی کے ساتھ مجھے گویا ذاتی محبت ہے اور ان کی عظمت و بزرگی کا قائل ہوں، اس لیے بعض نفلی اعمال میں ان کے مذہب کی ''تقلید'' کرتا ہوں، لیکن کیا کروں، دوسرے حضرات کو وفورِ علم اور کمال تقویٰ کے باوجود امام ابوحنیفہ کے مقابلے میں بچوں کے رنگ میں پاتا ہوں۔'' (مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۱۵۵۔اختلاف امت اور صراطِ مستقیم، ج۲،۳۲۲)

حنفی مذہب کے ''اقراری مقلد'' حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے علمی مقام کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عبدالرشید عراقی غیر مقلد نے اپنی کتاب ''آسمان علم و عرفان کے دو روشن ستارے'' میں پہلا ستارہ انہی کو اور دوسرا ستارہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو قرار دے کر خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔''

(جاری۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد

توہینِ رسالت کا مسئلہ......اور......عمار خان ناصر

تعارف

''حدود و قصاص'' اور ''جہاد'' کے بعد عمار خان صاحب نے ''توہین رسالت'' کے موضوع پر ''توہین رسالت کا مسئلہ'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ ذمی یعنی مسلمان ملک کا کافر شہری اگر توہین رسالت کا ارتکاب کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ عمار خان صاحب نے اسی سے متعلق یہ کتاب لکھی ہے۔ اگر کوئی مسلمان توہین رسالت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس سوال سے متعلق انہوں نے اس کتاب میں کوئی بحث نہیں کی۔

عمار خان صاحب کے بارے میں ہمیں یہ تجربہ ہوا کہ ان کے اور ہمارے درمیان کوئی ایسی قدر مشترک نہیں ہے جس کی بنیاد پر فریقین کی بات کو ناپا تولا جا سکے۔ اس لیے اس کتاب کو دیکھ کر رکھ دیا تھا کہ اس پر تبصرہ کرنے کا فائدہ نہیں۔ البتہ یہ خیال بھی تھا کہ اگر عمار خان صاحب اس (تبصرہ) سے فائدہ نہ اٹھائیں تو وہ جانیں دوسرے لوگوں کو تو کچھ نہ کچھ فائدہ ہوگا۔ اتنے میں مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے خاندان کے ایک فرد مولانا سرفراز حسن حمزہ کی جانب سے ماہنامہ صفدر کا ایک شمارہ ملا اور ساتھ ہی ان کا یہ مطالبہ بھی کہ عمار خان صاحب کی کتاب پر کچھ لکھ دو۔ ان کی تحریر اور مطالبے نے تحریک پیدا کی اور یوں بنام خدا ایک مضمون تیار ہو گیا۔ اس پر میں مولانا سرفراز حسن حمزہ کا ممنون ہوں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرما کر اس کو لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا دیں گے۔ میں دارالافتاء والتحقیق کے اپنے ساتھیوں کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے مفید مشورے عنایت فرمائے اور ان کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائیں اور ان کو اپنی مرضیات پر چلائے رکھیں۔

تنبیہ: اس مضمون و تبصرے سے غرض کسی خاص واقعہ یا مقدمہ سے متعلق کچھ لکھنا نہیں ہے بلکہ غرض صرف اتنی ہے کہ عمار خان صاحب نے اپنی کتاب کے ذریعہ سے جو مغالطے دینے کی اور امت میں انتشار پھیلانے کی کوشش کی ہے اس کا توڑ ہو سکے اور لوگ ان کے مغالطوں کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔

عمار خان صاحب کے دو مقاصد

عمار خان صاحب لکھتے ہیں:

جہاں تک ریاست کی سطح پر قانون سازی کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ قانون ساز ادارے

کسی ایک فقہی مکتب فکر کی آراء کے پابند نہیں ہیں ایک اجتہادی مسئلے میں انہیں پورا حق حاصل ہے کہ وہ دین وشریعت کی جس تعبیر کو زیادہ درست سمجھیں اس پر قانون سازی کی بنیاد رکھیں لیکن اس کی وجہ سے نہ تو علمی دائرے میں بحث ومباحثہ پر کوئی قدغن عائد کی جا سکتی ہے اور نہ اس امکان کا دروازہ بند کیا جا سکتا ہے کہ اگر غور وفکر اور بحث ومباحثہ کے نتیجے میں قانون ساز ادارے کسی دوسری تعبیر کی صحت پر مطمئن ہو جائیں تو پھر وہ اسے قانون کا درجہ دے دیں۔ چنانچہ 1986ء میں پارلیمنٹ نے توہین رسالت سے متعلق قانون سازی کرتے ہوئے سزائے موت کے علاوہ عمر قید کی متبادل سزا کی گنجائش بھی رکھی تھی۔اس کے بعد 1990ء میں یہ مسئلہ وفاقی شرعی عدالت میں زیر بحث آیا تو عدالت نے مخالف نقطۂ نظر کو راجح قرار دیتے ہوئے یہ فیصلہ دیا کہ اس جرم پر سزائے موت ہی واحد سزا ہو سکتی ہے۔اسی طرح اگر یہ مسئلہ آئندہ کسی موقع پر عدالت یا پارلیمنٹ میں دوبارہ زیر بحث آتا ہے تو اس کا پورا امکان ہے کہ سزائے موت کے ساتھ ساتھ متبادل اور کمتر سزاؤں کی گنجائش کو دوبارہ کتاب قانون میں شامل کر لیا جائے۔عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ:

(i) جو مسئلہ فقہی روایت میں ایک اختلافی اور اجتہادی مسئلہ کے طور پر معروف چلا آ رہا ہے اسے متفقہ اور اجماعی مسئلے کے طور پر پیش کرنا اور اس حوالے سے آزادانہ بحث ومباحثہ کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنا علمی واخلاقی بددیانتی کے زمرے میں آتا ہے۔

(ii) اسی طرح نبی ﷺ کی ذات گرامی کے حوالے سے توہین وتنقیص کے واقعات پر رد عمل ظاہر کرنے اور خاص طور پر قانونی سطح پر کوئی اقدام کرتے ہوئے ان بہت سے حکیمانہ پہلوؤں کا لحاظ بھی بہت ضروری ہے جن کا ثبوت خود نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام کے طرز عمل میں ملتا ہے۔ان تمام پہلوؤں کو نظر انداز کر کے اگر اس معاملے میں محض جذباتی انداز اختیار کر لیا جائے یا اس ضمن میں اسلامی قانون کی ایسی تعبیر پر اصرار کیا جائے جس کے نتیجے میں ان تمام حکمتوں اور مصلحتوں کو یکسر قربان کر دینا پڑے جن کی رعایت خود نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے کی، تو یقینی طور پر اس رویے کو کوئی متوازن اور دین وشریعت کی ہدایات کی درست ترجمانی کرنے والا رویہ نہیں کہا جا سکتا۔(توہین رسالت کا مسئلہ ص 90,89)

ہم کہتے ہیں

عمار خان صاحب کا معاملہ عجیب ہے۔جو پالیسی انہوں نے اختیار کی ہے اس میں کہیں تو وہ تمام فقہاء کو ایک طرف کر کے اور اجماع کے وجود کا انکار کر کے اپنا اجتہاد پیش کرتے ہیں اور صرف اسی میں ان کو حکمتیں

اور مصلحتیں نظر آتی ہیں اور کہیں وہ کسی فقیہ کی بات پر ایسے ریجھتے ہیں کہ گویا ان کی تقلید ہی کر رہے ہوں۔ لیکن عمار خان کی خواہ یہ بات ہو یا وہ بات ہو ان کا مقصد تو امت میں دین وعلم کے نام پر انتشار پیدا کرنا اور ائمہ پر طعن کرنا ہے۔

اس کی نقد مثال عمار خان کی یہ عبارت ہے:

''یا اس ضمن میں اسلامی قانون کی ایسی تعبیر پر (جیسے توہین رسالت کے مسئلے میں ائمہ ثلاثہ کے قول پر) اصرار کیا جائے جس کے نتیجے میں ان تمام حکمتوں اور مصلحتوں کو یکسر قربان کر دینا پڑے جن کی رعایت خود نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے کی (لیکن ان ائمہ نے نہیں کی) تو یقینی طور سے اس رویے کو (یعنی ائمہ ثلاثہ کے قول کو حکم وقانون بنانے پر اصرار کرنا) کوئی متوازن اور دین وشریعت کی ہدایات کی درست ترجمانی کرنے والا رویہ نہیں کہا جا سکتا۔''

ائمہ ثلاثہ پر عمار صاحب کے انتہائی گمراہ کن دو الزام

دیکھئے! عمار صاحب یہاں انتہائی خطرناک اور گمراہ کن باتیں کہہ گئے ہیں۔ ان کی وضاحت ہم ذیل میں کرتے ہیں:

1- انہوں نے ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ الزام لگایا کہ نبی ﷺ نے اور آپ کے صحابہؓ نے جن حکمتوں اور مصلحتوں کی خود رعایت کی ان ائمہ نے ان کی رعایت نہیں کی۔

ہم کہتے ہیں جو شخص احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں سے واقف نہ ہو یا حکم میں ان کی رعایت نہ کرتا ہو وہ مجتہد کیسے ہو سکتا ہے؟ کجا یہ کہ وہ نبی ﷺ کی رعایت کردہ حکمتوں کو بھی نہ سمجھ سکے۔

2- عمار صاحب نے ائمہ ثلاثہ پر یہ الزام بھی لگایا کہ انہوں نے پہلے الزام کے نتیجے میں دین وشریعت کی ہدایات کی درست ترجمانی نہیں کی۔ اسی لیے ائمہ ثلاثہ کے قول کو قانون بنانے اور پھر باقی رکھنے کا رویہ یقینی طور سے دین وشریعت کی ہدایات کی درست ترجمانی کرنے والا رویہ نہیں کہا جا سکتا۔

یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

ہم کہتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق اگرچہ ایک ہے لیکن عمل سب کا مقبول ہے۔ علاوہ ازیں اجتہادی مسائل میں ہر مجتہد کا قول صواب محتمل خطا ہوتا ہے ان میں سے کسی کے قول کو یقینی طور پر درست یا خطا نہیں کہا جا سکتا۔

عمار خان صاحب نے اوپر کی عبارت میں اپنی تحریر کے دو مقصد بتائے ہیں۔ آگے ہم ان کے دونوں مقصدوں پر علیحدہ علیحدہ کلام کرتے ہیں۔

عمار خان صاحب کا پہلا مقصد

عمار صاحب لکھتے ہیں:

''جو مسئلہ فقہی روایت میں ایک اختلافی اور اجتہادی مسئلہ کے طور پر معروف چلا آ رہا ہے اسے متفقہ اور اجماعی مسئلے کے طور پر پیش کرنا اور اس حوالے سے آزادانہ بحث و مباحثہ کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنا علمی و اخلاقی بد دیانتی کے زمرے میں آتا ہے۔''

عمار خان صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ذمی اگر توہین رسالت کرے تو اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اس کی سزائے موت کو حد کہتے ہیں جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کو تعزیر کے تحت لاتے ہیں اور تعزیر میں قتل متعین نہیں ہے۔ قانون بنانے کے وقت میں بھی اور قانون میں ترمیم پر غور کرنے کے وقت میں بھی یہی کہے جانا کہ ذمی توہین رسالت کرے تو اس کی سزائے موت پر سب کا اتفاق و اجماع ہے علمی و اخلاقی بد دیانتی ہے اور اس سے آزادانہ غور و فکر اور بحث و مباحثہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

عمار خان صاحب کے پہلے مقصد پر ہمارا تبصرہ

1- عمار خان صاحب نے واضح نہیں کیا کہ وہ کون لوگ ہیں جو ایک اختلافی مسئلے کو اجماعی اور متفقہ بتا رہے ہیں۔ جو لوگ اجماع کے قائل ہیں وہ بعض اوقات ائمہ اربعہ کے یا چاروں فقہی مذاہب کے اتفاق کو بھی مجازاً اجماع کہہ دیتے ہیں اور یہ کوئی غلط بات بھی نہیں ہے۔ آگے ائمہ مجتہدین کے اقوال ذکر کئے جاتے ہیں:

i- علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

وقال الامام السبکی ایضا ماحاصله لا اعلم خلافا بین القائلین بقتله من المذاهب الثلاثة المالکیة والشافعیة والحنابلة فی انه لا تصح توبته مع بقائه علی الکفر

(رسائل ابن عابدین ص 352 ج 1)

(ترجمہ: امام سبکی رحمہ اللہ نے جو کلام کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ تین مذاہب والے یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ جو کہ نبی ﷺ پر سب و شتم کرنے والے ذمی کے قتل کے قائل ہیں ان کا اس بارے میں کچھ اختلاف نہیں ہے کہ اس ذمی کی کفر پر رہتے ہوئے توبہ قبول نہیں ہے۔)

اگرچہ ان فقہائے ثلاثہ کے علیحدہ علیحدہ قول ابن عابدین رحمہ اللہ نے بھی ذکر کئے ہیں لیکن ہم ان کو عمار خان کے حوالے سے بھی نقل کرتے ہیں۔ عمار خان لکھتے ہیں:

ii- ''امام مالک کا یہ فتوی فقہ مالکی کی کتابوں میں منقول ہے کہ توہین رسالت کے مرتکب کو لازمی طور پر قتل کر دیا جائے۔ (توہین رسالت کا مسئلہ ص 25)

iii- امام شافعی نے ''الام'' میں یہ بات ذکر کی ہے کہ اہل ذمہ کے ساتھ جو معاہدہ کیا جائے اس میں

ان کے ساتھ یہ شرط طے کی جائے کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی تعلیمات کے بارے میں کوئی ناروا بات نہیں کریں گے اور اگر ان میں سے کوئی شخص ایسا کرے گا تو اس کو دی جانے والی امان کالعدم سمجھی جائے گی اور حربی قرار دیئے جانے کی وجہ سے اس کی جان و مال مباح ہو جائے گی۔'' (توہین رسالت کا مسئلہ ص 27)

iv-ابن عابدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال الشافعی یقتل الذمی اذا سب النبی ﷺ و تبرأ منه الذمة (رسائل ص 352 ج 1)

(ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذمی جب نبی ﷺ پر سب وشتم کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کو جو ذمہ حاصل تھا وہ ختم ہو جائے گا۔)

v-فقہائے اربعہ میں سے صرف امام احمد ہیں جن سے شتم رسول پر موت کی سزا کے حق میں کوئی نقلی دلیل بیان کرنا ثابت ہے۔ (توہین رسالت کا مسئلہ ص 29)

vi- قال ابو سلیمان الخطابی قال مالک من شتم النبی ﷺ من الیهود و النصاری قتل الا ان یسلم و کذا قال احمد (رسائل ابن عابدین ص 352 ج 1)

(ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس یہودی یا عیسائی نے نبی ﷺ پر سب وشتم کیا ہو اس کو قتل کیا جائے گا الا یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ یہی امام احمد رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔)

<u>حنفیہ کا اجمالی موقف</u>

حکی عن ابی حنیفة رحمه الله قال لا یقتل الذمی بشتم النبی ﷺ لان ما هم علیه من الشرک اعظم. (رسائل ابن عابدین ص 352 ج 1)

(ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ذمی کو نبی ﷺ پر سب وشتم کرنے سے (حد کے طور پر) قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ جس کفر و شرک میں مبتلا ہے وہ اس برائی سے زیادہ بڑی برائی ہے)۔

ii- قاضی عیاض رحمہ اللہ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں **ولکن یؤدب و یعزر** (البتہ اس کو تعزیر کی جائے گی۔)

iii-علامہ خیر الدین رملی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهو یدل علی جواز قتله زجرا لغیره اذ یجوز الترقی فی التعزیر الی القتل اذا عظم موجبه. (رسائل ص 353 ج 1)

(ترجمہ: تعزیر کئے جانے کا قول مجرم کے قتل کے جواز پر دلالت کرتا ہے تاکہ دوسروں کو زجر ہو کیونکہ جب کسی کا جرم بڑا ہو تو تعزیر میں قتل بھی شامل ہو جاتا ہے)۔

ابن کمال پاشا رحمہ اللہ نے لکھا:

والحق انه یقتل عندنا اذا اعلن بشتمه علیه الصلاة والسلام صرح به سیر الذخیرة

حیث قال و استدل محمد لبیان قتل المرأة اذا اعلنت بشتم الرسول ﷺ بما روی......

حق یہ ہے کہ جب ذمی نبی ﷺ پر اعلانیہ سب وشتم کرے تو ہمارے نزدیک اس کو قتل کیا جائے گا۔ ذخیرہ کی ''**کتاب السیر**'' میں اس طرح سے اس کی تصریح کی کہ بتایا کہ امام محمد رحمہ اللہ نے اس بات پر کہ جب ذمی عورت نبی ﷺ پر اعلانیہ سب وشتم کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا اس روایت سے استدلال کیا......

غرض

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسے ذمی کو قتل کیا جائے گا الا یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے جبکہ حنفیہ کے نزدیک اس کو تعزیر کی جائے گی اور وہ تعزیر قتل بھی ہو سکتی ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ تعزیر کا ایک طریقہ یہ ہے کہ حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ موقع ومقام کی مناسبت سے سزا سنائے لیکن یہ طریقہ آج کل متروک ہے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قانون ساز ادارے قانون سازی کر کے تعزیر کی کوئی خاص صورت مثلاً قتل کو متعین کر دیں اور اس کو قانون بنا دیں۔ موجودہ دور میں یہ دوسرا طریقہ رائج ہے اور حاکم کی طرف براہ راست مقدمات نہیں جاتے، جیسا کہ سلطنت عثمانیہ کے دور میں یہ قانون جاری ہوا تھا۔

ثم رایت فی معروضات المفتی ابی السعود انه ورد امر سلطانی بالعمل بقول ائمتنا القائلین بقتله اذا ظهر انه معتاده.

(ترجمہ: مفتی ابوسعود کی معروضات میں ہے کہ سلطانی حکم جاری کیا گیا کہ ہمارے وہ ائمہ جو ذمی کے قتل کے قائل ہیں جب کہ وہ عادی ہو جائے ان کے قول پر عمل کیا جائے۔)

عمار صاحب کا قول کہ اختلافی مسئلہ کو متفقہ واجماعی کہنا علمی واخلاقی بددیانتی ہے اس موقع پر درست نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ اجماع کے مجازی استعمال میں وسعت ہے۔ حنفیہ میں سے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ذمی اگر توہین رسالت اعلانیہ کرے تو پہلی ہی دفعہ میں اس کی سزا موت ہے۔ اس سے یہ چاروں مذاہب کے ائمہ کا قول ہوا۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا اور ائمہ ثلاثہ کے قول پر ہی سزائے قتل کو متعین کر دیا جائے اور قانون بنا دیا جائے تو اس وقت کہا جا سکتا ہے کہ اب چاروں مذاہب والوں کا اس سزا پر اتفاق واجماع ہے۔ اس کو عمار خان صاحب یہ کہیں کہ ''اسے متفقہ اور اجماعی مسئلے کے طور پر پیش کرنا اور اس حوالے سے آزادانہ بحث ومباحثہ کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنا علمی واخلاقی بددیانتی کے زمرے میں آتا ہے'' خود دیانت واخلاق اور انتظام مملکت کے خلاف ہے جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

<u>پہلی وجہ</u>

قانون ساز ادارے اور وفاقی شرعی عدالت نے اگر حنفیہ کے قول کو چھوڑ کر ذمی میں دیگر تین ائمہ کے قول کو لیا اور اس کے موافق قانون بنا دیا جب کہ خود عمار خان صاحب کہہ چکے ہیں کہ قانون ساز ادارے کسی ایک فقہی مکتب فکر کے پابند نہیں ہیں......اور وہ دین وشریعت کی جس تعبیر کو زیادہ درست سمجھیں اس پر قانون سازی کی بنیاد رکھیں۔اس کے باوجود عمار خان پارلیمنٹ اور وفاقی شرعی عدالت کے بارے میں یہ خیال کریں کہ بعض لوگوں کے اس دعوے پر کہ ''توہین رسالت کرنے والا مسلمان ہو یا کافر دونوں کی سزائے موت پر اجماع واتفاق ہے'' وہ دونوں ادارے بہک گئے اور ذمی کے بارے میں حنفیہ کے موقف کو نظر انداز کر گئے، معقول بات نہیں ہے۔

<u>دوسری وجہ</u>

عمار خان لکھتے ہیں:

''نویں صدی عیسوی کی چھٹی دہائی میں اندلس میں مسیحی راہنما سینٹ یولوجیس کی تحریک پر اسلام اور نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے شہادت کا مرتبہ پانے کی ایک باقاعدہ تحریک چلائی گئی تھی جس میں پچاس کے قریب مسیحیوں نے مختلف اوقات میں اس جرم کی پاداش میں سزائے موت پائی۔اس تحریک اور اس میں قتل کئے جانے والے مسیحیوں کی پوری داستان خود سینٹ یولوجیس کے قلم سے تاریخ میں محفوظ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف عام مسلمانوں نے ابتداءً اس طرح کے واقعات کو نظر انداز کیا بلکہ مالکی قاضیوں نے بھی بعض مجرموں کو موت دینے سے گریز کرتے ہوئے اپنی روش سے باز آنے کا موقع دیا۔لیکن پھر ان کی ہٹ دھرمی اور ضد کو دیکھتے ہوئے انہیں سزائے موت دے دی۔''(توہین رسالت کا مسئلہ ص 27)

عمار خان صاحب خود غور کریں کہ ان کے ذکر کردہ واقعہ میں عیسائیوں کی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے گستاخی کرنے والوں کو موت کی سزا دی گئی۔سزائے موت کے باوجود ان کی ہٹ دھرمی اس وقت رکی جب ان کے پچاس آدمی مارے گئے۔اگر ان کو سزائے موت سے کمتر سزا دی جاتی تو شاید پانچ سو سے بھی زیادہ آدمی توہین رسالت پر جری ہو جاتے۔

کیا ہمارے ملک کے حالات اس کا تقاضا نہیں کرتے جب کہ عیسائی طاقتیں توہین کرنے والوں کی اعلانیہ پشت پناہی کر رہی ہیں۔اگر قانون میں نرمی ہوگی تو ان طاقتوں کی شہ پر ذمی توہین رسالت پر جرأت کریں گے۔

تیسری وجہ

توہین رسالت پر سزا کا قانون بنانے کا ہمیں حق حاصل ہے۔اور وہ قانون بن چکا ہے لیکن ہمارے ملک کے بے دین طبقے کو اور عیسائی حکومتوں کو یہ قانون پسند نہیں ہے۔امریکہ اور یورپ کی عیسائی حکومتوں کا ہمارے ملک کی حکومتوں پر مسلسل دباؤ ہے اور اس کے لیے وہ میڈیا پر بے تحاشہ خرچہ کر رہی ہیں کہ اس قانون کو ختم کیا جائے تا کہ عیسائی اور قادیانی اور دیگر گمراہ لوگ اس قانون کی پکڑ سے آزاد ہو کر جیسی چاہیں گستاخی کریں اور یا تو بالکل سزا نہ پائیں یا محض خانہ پری کر دی جائے۔اسی طرح ہمارا دین بیزار اور حکمران طبقہ اس قانون کو برا کہے تو اس کو بھی کچھ نہ کہا جائے۔ان حالات میں ملک کے عوام وعلماء اگر ذمی کی سزائے موت کو ضروری سمجھیں تو عمار خان صاحب کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ امت کے اندر انتشار پیدا کریں اور لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ قانون سازی میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور نہیں کیا گیا۔حکمتوں اور مصلحتوں پر غور نہیں کیا گیا اور حنفیہ کی رائے کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے لہٰذا قانون ساز ادارے دوبارہ غور وفکر کر کے توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کریں؟

توہین رسالت کے مختلف درجے اور عمار صاحب کا فلسفہ

عمار خان صاحب خود ہی لکھتے ہیں:

''جدید جمہوری اصولوں کی رو سے کسی بھی مملکت کی حدود میں بسنے والے ہر مذہبی گروہ کو اپنے عقیدہ و مذہب کے تحفظ کا حق اور اس کی ضمانت حاصل ہے۔اس ضمن میں اہل مغرب کے تعصب یا بعض سیاسی مجبوریوں پر مبنی رویے سے قطع نظر کر لیا جائے تو انسانی جان و مال اور آبرو کے ساتھ ساتھ مختلف مذہبی گروہوں کے مذہبی جذبات بھی لازمی طور پر ایک قابل احترام اور قابل تحفظ چیز قرار پاتے ہیں۔یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ راسخ العقیدہ اہل مذہب اپنے مذہبی شعائر،شخصیات اور جذبات کو جان و مال اور آبرو سے زیادہ محترم سمجھتے ہیں اور ان میں سے کسی بھی چیز کی توہین لازماً مذہبی جذبات کو مجروح کرنے اور نتیجتاً اشتعال انگیزی کا سبب بنتی ہے چنانچہ انسانی و مذہبی حقوق کی اس خلاف ورزی کو جرم قرار دے کر اس کے سد باب کے لیے سزا مقرر کرنا ہر لحاظ سے جمہوری اصولوں اور تصورات کے مطابق ہے۔''

(توہین رسالت کا مسئلہ:ص14)

ہم کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے اپنے ملک میں اپنی مذہبی شخصیت کی توہین کو روکنے کے لیے جو مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرتی ہے اور ان میں اشتعال انگیزی کا سبب بنتی ہے ایک سزا یعنی

سزائے موت مقرر کی جس میں زجر بھی زیادہ ہے۔ دوسری طرف اہل مغرب مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے اور جمہوری اصولوں کے برخلاف اپنے تعصب کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں کہ مسلمان اس قانون کو ختم کردیں۔ ایسے حالات میں عمار خان ان کافروں کی ہمدردی میں کھڑے ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو یاد دلاتے ہیں کہ یہ قانون علی الاطلاق فقہ اسلامی سے مطابقت نہیں رکھتا اور حکمت و مصلحت سے بھی دور ہے کیونکہ قتل کی سزا تو ایک انتہائی درجے کی سزا ہے۔ جو صرف اس وقت لاگو ہوتی ہے جب کوئی ذمی توہین رسالت کرنے سے کسی طرح باز نہ آئے، اس کو اپنی روش بنالے اور اس کی وجہ سے پورے ملک میں ہلچل مچ جائے۔

عمار خان لکھتے ہیں:

''پیغمبر علیہ السلام کی شان میں گستاخی کا جرم اگر اپنی نوعیت اور اثرات کے لحاظ سے اس درجے کو پہنچ جائے کہ اس کی اذیت پورے مسلمان معاشرے کو محسوس ہونے لگے اور مجرم کسی چیز کی پروا کیے بغیر اپنی روش پر قائم رہے تو اس صورت میں یہ جرم براہ راست آیت محاربہ کے تحت آجاتا ہے......

تاہم یہ ضروری نہیں کہ سب وشتم اور توہین و تنقیص کے جرم کو اپنی ہر صورت میں حرابہ ہی کے دائرے میں شمار کیا جائے کیونکہ نوعیت و کیفیت اور اثرات کے لحاظ سے اس کی نسبتاً کم تر اور ہلکی صورتوں کا رونما ہونا بھی ممکن ہے۔ چنانچہ اگر جرم اپنی سنگینی کے لحاظ سے حرابہ کے درجے کو نہ پہنچا ہوا ہو اور کسی شخص نے وقتی کیفیت میں اتفاقیہ طور پر نبی ﷺ کے بارے میں کوئی ناروا کلمہ زبان سے کہہ دیا ہو تو اس کی سزا کیا ہونی چاہئے؟ اس ضمن میں فقہائے اسلام کے مابین اختلاف رائے واقع ہوا ہے۔ جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ اس جرم کی سزا ہر حال میں یہ ہے کہ مجرم کو قتل کردیا جائے جب کہ فقہائے احناف کا رجحان یہ ہے کہ عام حالات میں اس جرم پر سزائے موت دینے کے بجائے ایسی تعزیری سزا پر اکتفا کرنا چاہئے جو مجرم کو آئندہ اس جرم کے ارتکاب سے روکنے میں مؤثر ہو البتہ اگر اس جرم کا ارتکاب علانیہ ہو اور اس میں سرکشی کا عنصر بھی شامل ہو جائے اور خاص طور پر اگر مجرم اسے ایک عادت اور معمول کے طور پر اختیار کرلے تو اسے قتل بھی کیا جاسکتا ہے۔'' (ص15,16)

عمار صاحب کے فلسفہ کی وضاحت

عمار خان صاحب نے بات اس سے شروع کی کہ راسخ العقیدہ اہل مذہب اپنے مذہبی شعائر، شخصیات اور جذبات کو جان و مال اور آبرو سے زیادہ محترم سمجھتے ہیں اور ان میں سے کسی بھی چیز کی توہین لازماً مذہبی

جذبات کو مجروح کرتی ہے۔ عمار صاحب لکھتے ہیں:

''جدید جمہوری اصولوں کی رو سے کسی بھی مملکت کی حدود میں بسنے والے ہر مذہبی گروہ کو اپنے عقیدہ و مذہب کے تحفظ کا حق اور اس کی ضمانت حاصل ہے......راسخ العقیدہ اہل مذہب اپنے مذہبی شعائر، شخصیات اور جذبات کو جان و مال اور آبرو سے زیادہ محترم سمجھتے ہیں اور ان میں سے کسی بھی چیز کی توہین لازماً مذہبی جذبات کو مجروح کرنے اور نتیجتاً اشتعال انگیزی کا سبب بنتی ہے۔ چنانچہ انسانی و مذہبی حقوق کی اس خلاف ورزی کو جرم قرار دے کر اس کے سدباب کے لیے سزا مقرر کرنا ہر لحاظ سے جمہوری اصولوں اور تصورات کے مطابق ہے۔

(توہین رسالت کا مسئلہ ص 14)

ہم کہتے ہیں کہ عمار صاحب نے مذہبی شعائر، مذہبی شخصیات اور مذہبی جذبات ان تینوں کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے حالانکہ اصل دو چیزیں ہیں: ایک دین اور دوسرے اس کے شعائر۔ شعائر میں بہت سی چیزیں ہیں مثلاً رسول، کتاب الٰہی اور بیت اللہ وغیرہ۔ مذہبی جذبات بذات خود کوئی مستقل چیز نہیں ہیں۔ مذہبی جذبات وہ ہوتے ہیں جو دین اور اس کے شعائر سے وابستہ ہوں۔ ان کی توہین سے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی جان و مال اور آبرو سے زیادہ اہم اور زیادہ قیمتی چیز پر حملہ کیا گیا ہے، جس کی خاطر جان بھی قربان کی جا سکتی ہے۔ عمار صاحب نے مذہبی جذبات کو شعائر اور شخصیات سے علیحدہ ذکر کر کے ان کو مبہم اور ایسا بنا دیا کہ جن کو لوگ عام طور سے مذہبی دیوانگی سے تعبیر کرتے ہیں۔

عمار صاحب نے پہلے مذہبی جذبات کا ذکر کیا اور مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کو جرم قرار دیا اور اس کے لیے سزا مقرر کرنے کو جمہوری اصولوں کے مطابق بتایا۔ حاصل یہ ہے کہ عمار صاحب نے اصل جرم مذہبی جذبات کو مجروح کرنا قرار دیا اور واضح کیا کہ قانون سازی اس لیے ہے کہ مذہبی جذبات کی مجروحیت کا موقع نہ آنے دیا جائے۔

یہ بات کہہ کر عمار صاحب رنگ بدلتے ہیں اور کہتے ہیں:

''یہ بنیادی نکتہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ شرعی احکام اور خاص طور پر مختلف جرائم پر سزاؤں کی تعیین میں اصل اور اساس کی حیثیت انسانی احساسات و جذبات کو نہیں بلکہ اس چیز کو حاصل ہے کہ اس باب میں شارع کا منشا کیا ہے اور وہ کس جرم پر کس نوعیت کی سزا دلوانا چاہتا ہے۔ شرعی احکام میں انسانی جذبات اور احساسات کو یقیناً ملحوظ رکھا گیا اور ان کی رعایت کی گئی ہے لیکن کسی چیز کا فیصلہ کرنے میں انہیں فیصلہ کن اور حتمی معیار تسلیم نہیں کیا گیا۔''

(توہین رسالت کا مسئلہ ص 60)

اوپر عمار صاحب نے توہین رسالت کی سزا میں اصل علت مذہبی جذبات کی مجروحیت کو قرار دیا تھا۔ یہاں لکھتے ہیں کہ اگر چہ مذہبی جذبات کی مجروحیت کا لحاظ رکھ کر سزا مقرر کی ہے لیکن وہ اصل علت نہیں ہے بلکہ شارع کی اپنی مرضی ہے۔اور انسانی جذبات (اگر چہ وہ مذہبی ہی ہوں......عبدالواحد) کی شریعت اپنے احکام کے ذریعہ سے تہذیب کرتی ہے۔

لیجئے عمار صاحب کے فلسفہ کے تحت وہ مذہبی جذبات جن کو آدمی اپنی جان و مال اور آبرو سے زیادہ محترم سمجھتا ہے اور جو احکام کی علت بنتے ہیں اب اتنے غیر مہذب بن گئے کہ شریعت مجبور ہوئی کہ ان کو تہذیب سکھائے۔اور تہذیب سکھانے کی صورت یہ ہوئی کہ عمار صاحب کو القاء کیا گیا کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ توہین رسالت کے کئی درجے ہیں اور سب کی ایک ہی سزا نہیں ہے۔اس لیے عمار صاحب لکھتے ہیں:

''پیغمبر علیہ السلام کی شان میں گستاخی کا جرم اگر اپنی نوعیت اور اثرات کے لحاظ سے اس درجے کو پہنچ جائے کہ اس کی اذیت پورے مسلمان معاشرے کو محسوس ہونے لگے اور مجرم کسی چیز کی پروا کئے بغیر اپنی روش پر قائم رہے تو اس صورت میں یہ جرم براہ راست آیت محاربہ کے تحت آجاتا ہے............تاہم یہ ضروری نہیں کہ سب و شتم اور توہین و تنقیص کے جرم کو اپنی ہر صورت میں حرابہ ہی کے دائرے میں شمار کیا جائے کیونکہ نوعیت و کیفیت اور اثرات کے لحاظ سے اس کی نسبتاً کمتر اور ہلکی صورتوں کا رونما ہونا ممکن ہے۔'' (توہین رسالت کا مسئلہ ص 15)

غرض عمار صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ توہین رسالت اور توہین قرآن سے بڑھ کر کوئی توہین نہیں ہے اس لیے جذبات خواہ وہ مذہبی ہی ہوں وہ چونکہ غیر مہذب ہیں اس لیے جنگلیوں اور دیہاتیوں کی طرح خوب بھڑکیں گے اور سزائے موت کا مطالبہ کریں گے لیکن ان کو تہذیب سکھاؤ اور مہذب بناؤ کہ وہ اتنا نہ بھڑکیں، امریکہ اور یورپ کے لوگوں کی طرح اپنے اندر برداشت پیدا کریں، بہت ہوا تو بس ایک آدھ مضمون لکھ دیا لیکن وہ بھی سنبھل کر۔ ہاں اگر توہین کرنے والا اعلانیہ توہین کرے اور وہ بھی بار بار کرے اور اتنا بے غیرت بن جائے کہ کوئی ڈانٹ ڈپٹ بھی اس کو متاثر نہ کرے اور سارے ملک میں ہلچل مچ جائے اس وقت عدالت اس کی موت کا فیصلہ دے (پھر فیصلہ پر عملدرآمد خواہ صدر کے معاف کرنے کے استحقاق سے ساقط ہی ہو جائے۔)

اب اگر کوئی پوچھ بیٹھے کہ یہ تو حرابہ کی (یعنی جنگی) صورت ہوئی۔اس سے کمتر کیا صورت ہوگی تو عمار صاحب فرماتے ہیں:

''کسی شخص نے وقتی کیفیت میں اتفاقیہ طور پر نبی ﷺ کے بارے میں کوئی ناروا کلمہ زبان سے کہہ دیا'' (توہین رسالت کا مسئلہ ص 16)

ہم کہتے ہیں کہ آدمی ذہنی طور پر تندرست بھی ہو پھر ایسی کیا کیفیت ہو سکتی ہے کہ وہ جانتے بوجھتے اعلانیہ طور پر لوگوں کے سامنے وہ کلمات کہے جس پر اس کو سزائے موت ہو گی یہ سمجھ سے باہر ہے۔ البتہ جب اس کو معلوم ہو اور تسلی ہو کہ ایک دو مرتبہ توہین کرنے سے کچھ زیادہ تعزیر نہیں ہو گی تو اس وقت وہ لاابالی پن کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔

عمار خان صاحب سے متعلق دو باتیں

1- پہلی بات: عمار صاحب نے یہ کتاب کافروں اور دین بیزار لوگوں کے لیے لکھی

جب جمہوری اصولوں کے مطابق ایک مسلمان ملک کے مسلمان باشندوں کو بھی اپنے مذہبی جذبات کے تحفظ کے لیے قانون بنانے کا حق حاصل ہے اور مذہبی حقوق کی خلاف ورزی کو جرم قرار دے کر اس کے سدباب کے لیے ان کا سزائے موت مقرر کرنا ہر لحاظ سے جمہوری اصولوں کے مطابق ہے اور اس سزا کی بہرحال شرعی بنیادیں بھی موجود ہیں اور حالات میں کوئی ایسی تبدیلی بھی نہیں آئی جو خود کسی ترمیم کا تقاضا کرتی ہو اور نہ ملک کے مذہبی وابستگی رکھنے والوں کی طرف سے کسی ترمیم کا مطالبہ ہوا ہو تو عمار خان صاحب ان حالات میں اپنی تحقیق کیوں لائے ہیں؟ یہ ظاہر ہے کہ ملک کے جمہور مسلمانوں کو ان کی تحقیق کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ تو حسب حال قانون بنا چکے تھے اور اس پر وہ مطمئن بھی تھے۔ پھر ہم ان کی کتاب کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ جمہور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرتی ہے اور موجودہ حالات میں اس کا فائدہ صرف کافروں کو اور دین سے بے زار لوگوں کو ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ عمار خان صاحب کی یہ کتاب جب صرف کافروں اور دین سے بے زار لوگوں کو مفید ہے تو یہ حقیقتاً ان ہی کی خاطر لکھی گئی ہے۔

دوسری بات: عمار صاحب کی حقیقت

عمار خان صاحب اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ وہ دیکھیں گے کہ وہی معمول کی باتیں کرتے رہو تو لوگوں کی خاطر خواہ توجہ نہیں ملتی لہٰذا کوئی نئی بات کرو (نیا شوشہ چھوڑو، [خادم،حمزہ]) جس سے لوگ متوجہ ہوں اور سمجھیں کہ اصل علم ان کے پاس ہے (دوسرے تو دقیانوسی لوگ ہیں جن کو اس ترقی یافتہ دور میں زندہ رہنے کا حق ہی نہیں اور اگر رہیں تو ذلیل وعاجز ہو کر رہیں۔)

تنبیہ: رہی یہ بات کہ عمار صاحب کی یہ تحریک آئندہ کے غور وفکر میں اور آئندہ کی قانون سازی میں مفید ہو گی تو اول تو عمار خان کی ساری تحریک وتبلیغ کا مدار ابن عابدین کی ترجیح پر ہے حالانکہ ابن عابدین کو یہاں ابن تیمیہ کی عبارت سے مغالطہ ہوا ہے۔ اس کو ہم آگے تفصیل سے بیان کریں گے۔ دوسرے یہ کہ مضمون ایسا نہیں ہے جس سے اہل علم بے خبر ہوں۔ ابن عابدین رحمہ اللہ کا رسالہ جو اس بارے میں ہے وہ ہر

دور میں چھپتا ہی رہا ہے اور اہل علم کے مطالعہ میں رہتا ہی ہے۔

تنبیہ: یہاں پر عمار خان صاحب کے پہلے مقصد پر ہمارا تبصرہ مکمل ہوا۔

عمار خان صاحب کا دوسرا مقصد

عمار خان صاحب لکھتے ہیں:

''نبی ﷺ کی ذات گرامی کے حوالے سے توہین وتنقیص کے واقعات پر ردعمل ظاہر کرنے اور خاص طور پر قانونی سطح پر کوئی اقدام کرتے ہوئے ان بہت سے حکیمانہ پہلوؤں کا لحاظ بھی بہت ضروری ہے جن کا ثبوت خود نبی ﷺ کے اسوہ حسنہ اور صحابہ کے طرز عمل میں ملتا ہے۔ ان تمام پہلوؤں کو نظرانداز کر کے اگر اس معاملہ میں محض جذباتی انداز اختیار کر لیا جائے یا اس ضمن میں اسلامی قانون کی ایسی تعبیر پر اصرار کیا جائے جس کے نتیجے میں ان تمام حکمتوں اور مصلحتوں کو یکسر قربان کر دینا پڑے جن کی رعایت خود نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے کی تو یقینی طور پر اس رویے کو کوئی متوازن اور دین وشریعت کی ہدایات کی درست ترجمانی کرنے والا رویہ نہیں کہا جا سکتا۔'' (توہین رسالت کا مسئلہ ص 90)

ہم کہتے ہیں

عمار خان صاحب نے اپنی کتاب کے ص 90 پر ذکر کیا کہ

''1986ء میں پارلیمنٹ نے توہین رسالت سے متعلق قانون سازی کرتے ہوئے سزائے موت کے علاوہ عمر قید کی متبادل سزا کی گنجائش بھی رکھی تھی۔ اس کے بعد 1990ء میں یہ مسئلہ وفاقی شرعی عدالت میں زیر بحث آیا تو عدالت نے مخالف نقطۂ نظر کو راجح قرار دیتے ہوئے یہ فیصلہ دیا کہ اس جرم پر سزائے موت ہی واحد سزا ہو سکتی ہے۔

(توہین رسالت کا مسئلہ: ص 90)

عمار خان صاحب مزید لکھتے ہیں:

''اس قانون کا جو ابتدائی مسودہ پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا اس میں صرف سزائے موت تجویز کی گئی تھی لیکن غور وفکر اور بحث ومباحثہ کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد جب اسے پارلیمنٹ نے منظور کیا تو اس میں سزائے موت کے ساتھ ساتھ عمر قید کی متبادل سزا بھی شامل تھی۔ ظاہر ہے کہ اس ترمیم کو اس وقت کے جید اہل علم، قانون دانوں اور مذہبی سیاسی جماعتوں کی تائید حاصل تھی۔'' (توہین رسالت کا مسئلہ ص 89)

عمار خان صاحب نے مذکورہ عبارت میں 1986ء کی قانون سازی کے بارے میں اعتراف کیا کہ ''غور وفکر اور بحث ومباحثہ کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد......اس ترمیم کو اس وقت کے جید اہل علم (اور) قانون دانوں............کی حمایت حاصل تھی۔'' (89)

ہم کہتے ہیں

جو فیصلہ غور وفکر اور بحث ومباحثہ کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد ہوا......اور اس وقت کے جید اہل علم اور قانون دانوں کی تائید سے ہوا۔ پھر وہ فیصلہ وفاقی شرعی عدالت کے سامنے 1990ء میں آیا جس میں سنجیدہ اہل علم اور قانون دان تھے لیکن عمار خان صاحب اس ساری سنجیدگی اور غور وفکر اور بحث ومباحثہ کا اعتراف کرنے کے بعد اس کو نظر انداز کر کے کہتے ہیں:

> ''اگر اس معاملے میں محض جذباتی انداز اختیار کر لیا جائے یا اس کے ضمن میں اسلامی قانون کی ایسی تعبیر پر اصرار کیا جائے جس کے نتیجے میں ان تمام حکمتوں اور مصلحتوں کو یکسر قربان کر دینا پڑے جن کی رعایت خود نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے کی تو یقینی طور پر اس رویے کو کوئی متوازن اور دین وشریعت کی ہدایات کی درست ترجمانی کرنے والا رویہ نہیں کہا جا سکتا۔''
>
> (ص90)

عمار خان صاحب کی کمال کاریگری دیکھئے کہ مواد کچھ دیتے ہیں یعنی Feed کچھ کرتے ہیں اور نتیجہ کچھ اور نکالتے ہیں۔ گویا عوام کا تو کیا کہنا پارلیمنٹ اور وفاقی شرعی عدالت میں موجود حضرات نے بھی محض جذباتی انداز اختیار کیا اور ائمہ مجتہدین کے اس قول کو قانون بنایا جس میں وہ تمام حکمتیں اور مصلحتیں مفقود تھیں جن کی رعایت خود نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے کی تھی اور فیصلہ دینے میں دین وشریعت کی ہدایات کی درست ترجمانی نہیں کی۔ عمار صاحب کچھ خیال نہیں کرتے کہ وہ کیسی خطرناک اور گمراہ کن بات کہہ گئے ہیں۔

متجددین (Modernists) کی ایسی ہی اداؤں پر تو امریکہ اور مغرب والے ان پر فدا ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ الفاظ کا ایسا چکر چلاتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ لوگ ان سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ان لوگوں کا مطالعہ بڑا وسیع ہے اور ان کی نظر خوب دقیق ہے۔ اور ان کی تعبیر بڑی نمکین ہے۔ اور ان کو روایتی اہل علم پر فوقیت حاصل ہے۔ لیکن ان متجددین کا حال یہ ہے کہ ان کے چکر کو کہیں سے بھی ذرا ادھیڑ ئے تو ادھڑتا ہی چلا آتا ہے۔

عمار خان صاحب کا ایک اعتراض

ہم نے عمار خان صاحب کی باتوں کو جوان پر الٹایا ہے، ہدایت دینا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے ہم نے ان

کے لیے اس کی راہ ہموار کی ہے لیکن ہوسکتا ہے وہ کہیں کہ انہیں معلوم تھا کہ مخالف لوگوں نے ایسی ہی باتیں کرنی ہیں اس لیے وہ پہلے لکھ چکے ہیں:

''ہمارے ہاں چونکہ ایک خاص جذباتی فضا میں بہت سے حنفی اہل علم بھی فقہ حنفی کے کلاسیکی موقف کو بعض متاخرین کے فتوؤں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں......''

(توہین رسالت کا مسئلہ: ص 54)

ہمارا جواب

ہم نے اپنی گزشتہ معروضات میں کہیں بھی فقہ حنفی کے کلاسیکی (یعنی متقدمین کے) موقف کو کسی بھی پردے کے پیچھے چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ ہم نے علامہ ابن عابدین کے حوالے سے پہلے بھی نقل کیا ہے اور آگے تفصیل سے نقل کرتے ہیں۔

تنبیہ: یہاں عمار خان کے دوسرے مقصد پر ہمارا تبصرہ مکمل ہوا۔

حنفیہ کا تفصیلی موقف

امام محمد رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر متقدمین کا قول

امام سبکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب **السیف المسلول** میں ذکر کیا کہ:

وحکی عن ابی حنیفة رحمه الله قال لا یقتل الذمی بشتم النبی ﷺ لان ما هم علیه من الشرک اعظم و قال القاضی عیاض...... الا اباحنیفة والثوری و اتباعهما من اهل الکوفة فانهم قالوا لا یقتل لان ما هو علیه من الشرک اعظم ولکن یودب و یعزر.

(رسائل ص 352 ج 1)

(ترجمہ: روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ذمی اگر توہین رسالت کرے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ جس کفر و شرک پر وہ قائم ہے وہ اس سے بڑا جرم ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا کہ ذمی اگر توہین رسالت کرے......تو ابوحنیفہ اور سفیان ثوری اور اہل کوفہ میں سے ان کے پیروکار اس بات کے قائل ہیں کہ ذمی کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ جس کفر و شرک پر وہ قائم ہے وہ اس سے بڑا جرم ہے البتہ اس کو تعزیر کی جائے گی۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال اصحابنا فی من سب النبی ﷺ او عابه...... ولو کان ذمیا عزرولم یقتل

(بحوالہ توہین رسالت کا مسئلہ ص 55)

(ترجمہ: ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ جو ذمی توہین رسالت کرے اسے تعزیر کی جائے گی البتہ قتل نہ کیا جائے گا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ **مختصر الطحاوی** میں لکھتے ہیں:

ومن کان ذلک منہ من الکفار ذوی العھود...... امر ان لایعاودہ فان عاودہ ادب علیہ ولم یقتل. (بحوالہ توہین رسالت کا مسئلہ ص 55)

اگر توہین رسالت کرنے والا کافر ذمی ہو تو اس کو حکم کیا جائے گا کہ وہ آئندہ توہین کا اعادہ نہ کرے۔ اور اگر وہ اعادہ کرے تو اس کو تعزیر کی جائے گی اور اس کو قتل نہ کیا جائے گا۔

ہم کہتے ہیں

یہاں دو احتمال ہیں:

پہلا یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول **لایقتل** کا مطلب یہ ہو کہ **لایقتل حدا** یعنی حد کے طور پر قتل نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اس کو تعزیر کی جائے گی جس میں مجرم کی زیادہ سرکشی کی صورت میں قتل کی سزا بھی شامل ہے۔ اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ اور متاخرین کا تعزیر بالقتل پر اتفاق ہوا۔

2- اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مراد یہ ہو کہ خواہ کتنی سرکشی ہو ذمی کو تعزیر میں قتل نہ کیا جائے گا تو عمار صاحب اس کے قائل نہیں اور امام صاحب سے بھی یہ بعید معلوم ہوتا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ اور متاخرین حنفیہ کا قول

1- درمختار کے **باب الجزیہ** میں ہے:

و یؤدب الذمی و یعاقب علی سبہ دین الاسلام او القران او النبی ﷺ حاوی وغیرہ. قال العینی و اختیاری فی السب ان یقتل اہ و تبعہ ابن الھمام. قلت و بہ افتی شیخنا الخیر الرملی و ھو قول الشافعی ثم رأیت فی معروضات المفتی ابی السعود انہ ورد امر سلطانی بالعمل بقول ائمتنا القائلین بقتلہ اذاظھر انہ معتادہ و بہ افتی ثم افتی فی بکر الیھودی قال لبشر النصرانی نبیکم عیسی ولد زنا بانہ یقتل لسبہ للانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام اہ قلت و یؤیدہ ان ابن کمال باشا فی احادیثہ الاربعینیۃ...... والحق انہ یقتل عندنا اذا اعلن بشتمہ علیہ الصلاۃ والسلام صرح بہ فی سیر الذخیرۃ حیث قال و استدل محمد لبیان قتل المرأۃ اذا اعلنت بشتم الرسول بما روی ان عمر بن عدی لما سمع عصماء بنت مروان توذی الرسول فقتلھا لیلا مدحہ ﷺ علی ذلک. (ص 305,306 ج 3)

(ترجمہ: اس ذمی کو تعزیر کی جائے گی جو دین اسلام کی یا قرآن کی یا نبی ﷺ کی توہین کرے، حاوی وغیرہ میں ایسے ہی منقول ہے۔ اس بات کو ابن ہمام نے لیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسی کا فتوی ہمارے شیخ خیر رملی نے بھی دیا اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ پھر میں نے مفتی ابو مسعود کی معروضات میں لکھا دیکھا کہ عثمانی سلطان کا حکم وارد ہوا ہے کہ ہمارے ان ائمہ کے قول پر عمل کیا جائے جو کہتے ہیں کہ ذمی کو سب وشتم کرنے کی عادت ہو جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اسی کا انہوں نے فتویٰ دیا۔ پھر یہ فتویٰ دیا کہ جو کوئی یہودی کسی عیسائی کو کہے کہ تمہارے نبی عیسیٰ ولد الزنا تھے تو چونکہ یہودی نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی توہین کی ہے لہٰذا اسے قتل کیا جائے۔ اھ میں کہتا ہوں کہ اس بات کی تائید ابن کمال پاشا کی اس بات سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی اربعین میں لکھی ہے۔ وہ یہ ہے: حق یہ ہے کہ ذمی جب نبی ﷺ کی توہین اعلانیہ کرے تو ہمارے نزدیک اس کو قتل کیا جائے گا۔ اس کی تصریح ذخیرہ کے باب السیر میں ان الفاظ میں ہے: کوئی ذمی عورت جب نبی ﷺ کی اعلانیہ توہین کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا اس دلیل کی بنا پر کہ عمر بن عدیؓ نے جب عصماء بنت مروان کو رسول اللہ ﷺ کی توہین کرتے سنا تو ایک رات اس کو قتل کر دیا۔ ان کے اس فعل پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف کی)۔

اس عبارت میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کی اعلانیہ توہین کرے تو اس کی سزا قتل ہے اور یہ بات علامہ عینی، ابن ہمام، مفتی ابو سعود، شیخ خیر رملی، ابن کمال پاشا اور امام محمد رحمہم اللہ کی کہی ہوئی ہے۔ البتہ امر سلطانی میں اعلانیہ توہین کے بجائے عادت بن جانے کا ذکر ہے۔ آگے ہم ان میں سے ہر ایک کی عبارت علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں:

امام محمد رحمہ اللہ

استدل لبیان قتل المرأۃ اذا اعلن بشتم الرسول......

(ترجمہ: عورت جب توہین رسالت اعلانیہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا......

تنبیہ: امام محمد رحمہ اللہ متاخرین میں سے نہیں ہیں بلکہ کلاسیکی یعنی متقدمین فقہاء میں سے ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ

قال الرملی عبارۃ العینی قال الشافعی ینتقض بہ لانہ ینقض بنقض الایمان فالامان اولی وبہ قال مالک و احمد و اختیاری ھذا. فقولہ ھذا اشارۃ الی النقض لا الی القتل ولایلزم من عدم النقض عدم القتل...... اذ صرحوا قاطبۃ بانہ یعزر علی ذلک ویؤدب وھو یدل علی جواز قتلہ زجرا لغیرہ اذ یجوز الترقی فی التعزیر الی القتل اذا عظم موجبہ. (البحر الرائق حاشیہ ص 115 ج 5)

(ترجمہ: علامہ رملی رحمہ اللہ نے لکھا کہ علامہ عینی رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے: ''امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ توہین نبی سے ذمہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ کوئی مسلمان کسی نبی کو سب وشتم کرے تو اس کا ایمان جاتا رہتا ہے پھر اگر کوئی ذمی ایسا کرے تو اس کو جو امان اور ذمہ حاصل ہے وہ بطریق اولی جاتا رہے گا۔ یہی امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور میں بھی اسی کو یعنی ذمہ ختم ہونے کو اختیار کرتا ہوں۔'' علامہ رملی کہتے ہیں...... ذمہ نہ ٹوٹنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قتل نہ ہو...... کیونکہ تمام فقہاء اس کی تصریح کرتے ہیں کہ ذمی کو توہین کرنے پر تعزیر کی جائے گی اور یہ بات اس پر دلیل ہے کہ دوسروں کو زجر کرنے کے لیے مجرم کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ جب جرم بڑا ہو تو تعزیر میں قتل بھی شامل ہو جاتا ہے)۔

ابن ہمام رحمہ اللہ

قال والذی عندی ان سبه علیه الصلاة والسلام او نسبة مالا ینبغی الی الله تعالی ان کان ممالا یعتقدونه کنسبة الولد الی الله تعالیٰ و تقدس عن ذلک اذا اظهره یقتل به و ینتقض عهده و ان لم یظهره ولکن عثر علیه و هو یکتمه فلا و هذا لانه الغایة فی التمرد والا ستخفاف بالاسلام و المسلمین فلا یکون جاریا علی العقد الذی یدفع عنه القتل و هو ان یکون صاغرا ذلیلا الی ان قال و هذا البحث منا یوجب انه اذا استعلی علی المسلمین علی وجه صار متمردا علیهم یحل للامام قتله او یرجع الی الذل و الصغار. (رد المحتار ص 305 ج 3)

(ترجمہ: ابن ہمام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ذمی کا نبی ﷺ کی توہین کرنا اور اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف کسی ناروا بات کی نسبت کرنا مثلاً اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد ہونے کی نسبت کرنا جب وہ اس کو اعلانیہ کرے تو اس کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کا ذمہ ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر وہ اس کو اعلانیہ نہ کرے بلکہ چھپا کر کرتا ہو لیکن مسلمانوں کو اس کی اطلاع ہو جائے تو (پہلی دفعہ میں) اس کو قتل نہ کیا جائے گا۔

یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ ذمی کا نبی ﷺ کو اعلانیہ سب وشتم کرنا تو سرکشی کا اور اسلام و مسلمین کی توہین کا انتہائی درجہ ہے لہٰذا یہ ذمی اس عہد پر جاری نہ رہے گا جو اس سے قتل کو دور رکھتا ہے اور وہ عہد اس بات کا ہے کہ وہ نیچا اور ذلیل بن کر رہے گا........... ہماری یہ بحث واجب کرتی ہے کہ جب ذمی مسلمانوں پر سرکشی دکھائے تو امام اس کو قتل کر سکتا ہے یا وہ دوبارہ پستی اور ذلت اختیار کر لے۔''

شیخ خیر الدین رملی

خیر رملی نے تعزیر کے طور پر قتل کرنے کا فتویٰ دیا جیسا کہ اوپر کی عبارت میں گذرا ہے۔

مفتی ابوسعود

ان کے دوفتوے ذکر ہوئے۔

انـه ورد امر سلطانی بالعمل بقول ائمتنا القائلین بقتله اذا ظهرانه معتاده و به افتـی ثـم افتی فی بکر الیهودی قال لبشر النصرانی نبیکم عیسـی ولد زنا بانه یقتل لسبه للانبیاء علیهم الصلاة والسلام.

(ترجمہ: i- ایک میں انہوں نے ذکر کیا کہ امر سلطانی جاری ہوا ہے کہ جب کسی ذمی کے سب وشتم کرنے کی عادت ہوجائے (جوکہ کم ازکم دودفعہ سے ثابت ہوتی ہے) تواس کو ہمارے ان ائمہ کے مطابق جو قتل کرنے کو کہتے ہیں قتل کیا جائے۔

ii- دوسرا فتویٰ یہ ہے کہ یہودی اگر کسی عیسائی کو کہے کہ تمہارے نبی ولدزنا تھے تو انبیاء کی توہین کرنے کی وجہ سے یہودی کو قتل کیا جائے گا۔)

ابن کمال پاشا

والحق انه یقتل عندنا اذا اعلن بشتمه علیه الصلاة والسلام.

(ترجمہ: حق یہ ہے کہ ذمی اگر توہین رسالت اعلانیہ کرے تو اس کو ہمارے نزدیک قتل کیا جائے گا۔)

مذکورہ بالاحوالوں سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے یہاں ذمی اگر توہین رسالت کرے تو راجح قول یہ ہے کہ اس کو تعزیر میں سزائے موت دی جائے گی اور اس کی شرط یہ ہے کہ ذمی نے یا تو ایک دفعہ اعلانیہ سب وشتم کیا ہو یا اگر چھپ کر کیا ہو لیکن مسلمانوں نے اس کو سن لیا ہو تو اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ آئندہ نہ کرے لیکن اگر پھر ایسی بات پیش آئے تو اس وقت ذمی کو تعزیر میں قتل کیا جائے گا۔

ہمارے اس دعوے کی دلیل یہ ہے:

مذکورہ بالا تمام حوالوں میں ذمی کو قتل کرنے کی صرف ایک شرط مذکور ہے۔

i- علامہ عینی رحمہ اللہ نے یہ ذکر کیا کہ جب سبب بڑا ہو تو زجر کے طور پر ذمی مجرم کو قتل کر سکتے ہیں۔

ii- ابن ہمام رحمہ اللہ نے اظہار یعنی اعلانیہ سب وشتم کرنے کو شرط کہا۔

iii- خیر رملی رحمہ اللہ نے کوئی شرط ذکر نہیں کی سوائے اس کے کہ جرم بڑا ہو۔

iv- ابوسعود رحمہ اللہ نے سلطانی حکمنامہ میں صرف عادت ہونے کی یعنی تکرار کی شرط ذکر کی جب کہ دوسرے فتوے میں صرف اعلانیہ کا ذکر ہے۔

v- ابن کمال پاشا رحمہ اللہ نے اعلانیہ کرنے کی شرط ذکر کی۔

vi- امام طحاوی رحمہ اللہ نے صرف اعادہ کا ذکر کیا ہے اعلانیہ کا نہیں۔

vii- امام محمد رحمہ اللہ نے بھی اعلانیہ کرنے کی شرط ذکر کی۔

مذکورہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ تعزیر کے طور پر قتل کرنے کے لیے ذمی سے توہین رسالت صرف ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے یعنی یا تو اعلانیہ کی ہو یا خفیہ کی ہو تو ایک دفعہ کی تکرار کے ساتھ کی ہو۔

غلطی کہاں ہوئی اور ابن عابدین کو مغالطہ کیا لگا؟

یہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب **الصارم المسلول** میں حنفیہ کا موقف بیان کرتے ہوئے اشارۃً دونوں شرطوں کو جمع کر دیا اور ان سے ابن عابدین رحمہ اللہ نے اس کو لے کر صراحت سے کئی جگہوں پر ذکر کیا جس سے عمار صاحب سمیت عام طور سے پڑھنے والے دونوں شرطوں کے مجموعہ کو حنفیہ کے نزدیک شرط سمجھنے لگے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واما ابو حنیفة و اصحابه فقالوا لاینتقض العهد بالسب ولا یقتل الذمی بذلک لکن یعزر علی اظهار ذلک کما یعزر علی اظهار المنکرات التی لیس لهم فعلها کاظهار اصواتهم بکتابهم و نحو ذلک...... و من اصولهم ان مالا قتل فیه عندهم مثل القتل بالمثقل والجماع فی غیر القبل اذا تکرر فللامام ان یقتل فاعله...... و کان حاصله ان له ان یعزر بالقتل فی الجرائم التی تعظمت بالتکرار و شرع القتل فی جنسها ولهذا افتی اکثرهم بقتل من اکثر من سب النبی ﷺ من اهل الذمة و ان اسلم بعد اخذه

(الصارم المسلول).

(ترجمہ: امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ سب وشتم سے معاہدہ نہیں ٹوٹتا اور ایسا کرنے پر ذمی کو قتل نہ کیا جائے البتہ اس کے اظہار (یعنی اعلانیہ کرنے) پر اس کو تعزیر کی جائے گی جیسا کہ دوسرے منکرات کے اظہار پر جن کو کرنے کی ذمی کو اجازت نہیں ہے جیسا کہ ذمیوں کی اپنی دینی کتاب کو آواز سے پڑھنا وغیرہ......اور حنفیہ کے اصولوں میں سے ایک اصول وضابطہ یہ ہے کہ جن جرائم پر قتل کی سزا نہیں ہے جیسے کسی بھاری چیز سے قتل کرنا یا لواطت کرنا جب مجرم ان جرائم کو بتکرار کرے تو امام اس کے مرتکب کو قتل کر سکتا ہے......اس ضابطہ کا حاصل یہ ہے کہ وہ جرائم جو تکرار سے بڑے بن جاتے ہیں اور جن کی جنس میں قتل کی سزا ہے تو ان کے مرتکب کو حاکم تعزیر میں قتل کر سکتا ہے۔اسی وجہ سے بہت سے حنفیہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جو ذمی بار بار توہین رسالت کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا اگرچہ پکڑے جانے کے بعد وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو جائے)۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک تو اظہار یعنی اعلانیہ سب وشتم کرنے کی شرط ذکر کی،اور دوسرے حنفیہ کا ایک

اصول ذکر کیا جس کی رو سے تعزیری قتل اس وقت آتا ہے جب تکرار کی وجہ سے جرم بڑا ہو جائے۔

ابن تیمیہ نے واضح طور پر دونوں شرطوں کو جمع نہیں کیا اور نہ ہی یہ بتایا کہ تکرار و اکثار میں دو مرتبہ بھی شامل ہے یا نہیں اور نہ ہی اس بارے میں حنفی فقہاء کا کوئی حوالہ ایسا ذکر کیا جس سے معلوم ہوتا کہ سب النبی ﷺ میں حنفی فقہاء نے دونوں شرطوں کو جمع کر کے حکم نکالا ہو۔ لیکن ابن عابدین رحمہ اللہ نے ان کی بات سے یہی اخذ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فلا ینبغی لمسلم التوقف فی قتله و ان تاب لکن بشرط تکرر ذلک منه و تجاهره به کما علمته مما نقلنا عن الحافظ ابن تیمیة عن اکثر الحنیفة و مما نقلناه عن المفتی ابی السعود. (رسائل ابن عابدص 356 ج 1)

ترجمہ: ایسے شخص کو قتل کرنے کے بارے میں کسی مسلمان کے لائق نہیں کہ وہ توقف کرے لیکن شرط یہ ہے کہ اس نے یہ جرم بتکرار اور لوگوں کے سامنے اعلانیہ کیا ہو جیسا کہ ہم نے حافظ ابن تیمیہ کے حوالے سے اکثر احناف کا موقف اور اس کے علاوہ مفتی ابوسعود کا فتویٰ نقل کیا ہے (حالانکہ مفتی ابوسعود نے سلطانی حکم نامہ نقل کیا اس میں تکرار کا ذکر ہے اعلانیہ کا نہیں اور ان کے اپنے فتوے میں اعلانیہ کا ذکر ہے تکرار کا نہیں)۔

ابن عابدین رحمہ اللہ کی اس بات کو **فتح المبین** کے مصنف مولانا محمد منصور علی مرادآبادی نے بھی لیا جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں **رد المحتار** کا حوالہ دیا ہے۔ عمار خان صاحب نے وہاں سے اس طرح نقل کیا ''حدیث میں **کانت تشتم** کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو مکرر سب وشتم واقع ہوا اور عادت ہو جائے تو اس کو قتل کرنا چاہیے...... پس لفظ حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک مکرر نہ ہو تو قتل نہ کرنا چاہیے۔ سو امام صاحب بھی اس کے مخالف نہیں کہتے...... معلوم ہوا کہ امام صاحب کا قول مطابق حدیث کے ہے اور حدیث میں عادت اور کثرت کی وجہ سے قتل ہے سو اس کا امام صاحب انکار نہیں کرتے۔ امام صاحب غیر معتاد (جس کی عادت نہ ہو) کے واسطے یہ حکم بیان کرتے ہیں کہ قتل نہ کیا جائے...... چنانچہ **رد المحتار** میں ہے کہ اصول حنفیہ میں سے یہ امر ہے کہ جس چیز میں قتل مقرر نہیں نزدیک حنفیہ کے جس وقت وہ فعل مکرر ہو پس چاہیئے امام کو کہ اس کے کرنے والے کو قتل کرے۔ (توہین رسالت کا مسئلہ: ص 58,59)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام میں کچھ اور بھی فروگذاشتیں ہیں:

1- ابن تیمیہ نے امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں کہا کہ ان کے نزدیک سب وشتم کے اظہار و اعلان پر قتل سے خالی تعزیر ہے حالانکہ امام محمد رحمہ اللہ کے بارے میں گزرا ہے کہ وہ ایک مرتبہ اعلانیہ سب وشتم کی صورت میں تعزیر بالقتل کے قائل ہیں۔

2- ابن تیمیہ نے لکھا کہ بہت سے حنفیہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جو ذمی بار بار توہین رسالت کرے تو اس کو قتل

کیا جائے گا۔ابن تیمیہ نے اس کا کوئی حوالہ نقل نہیں کیا۔

ابن تیمیہ کے یہ الفاظ **من اکثر من سب النبی ﷺ** یعنی جو سب وشتم بہت زیادہ کرے یا بہت مرتبہ کرے۔ ابن تیمیہ نے اس کا بھی حوالہ نہیں دیا۔ بہت مرتبہ یا بار بار کرنے سے کوئی خاص عدد مراد ہے یا نہیں؟ اگر کوئی خاص عدد مراد ہے تو وہ کونسا ہے؟ اور اگر کوئی خاص عدد مراد نہیں ہے تو پھر یہ کون طے کرے گا کہ اکثار پایا گیا یا نہیں؟ اگر چہ اس کو حاکم کی رائے پر چھوڑا جاتا ہے لیکن جب حاکم میں اس کو جانچنے کی صلاحیت نہ ہو یا وہ متعین قانون کی شکل میں اس کو نافذ کرے یا پارلیمنٹ قابل تعزیر توہین رسالت کی تعریف کرے اور قانون بنائے تو وہ کس عدد پر بنا کرے گی۔عمار خان صاحب اس کا معیار یہ بتاتے ہیں:

''جب کہ مجرم سب وشتم کا اعلانیہ اظہار کرے اور اس کو ایک روش کے طور پر اختیار کرلے''۔

لیکن یہ معیار بھی مبہم ہے کیونکہ دو مرتبہ سے روش تو نہیں بنتی۔اور دو سے اوپر جتنے بھی عدد ہیں وہ بلا مزاحم نہیں ہیں۔کوئی تین مرتبہ سے روش کہے گا اور کوئی چھ مرتبہ پر بھی روش کے اطلاق سے پس وپیش کرے گا۔

عمار خان صاحب اس پر بھی خوش ہیں کہ قانون میں ابہام پیدا کر دیا جائے جس سے وہ بے اثر ہو کر رہ جائے۔

حاصل کلام

یہ ہے کہ کوئی ذمی از خود لوگوں کے سامنے اعلانیہ توہین رسالت کرے تو یہ ایک دفعہ کرنا ہی اس کی بڑی سرکشی ہے جس کی اجازت معاہدہ ذمہ میں ذمی کو حاصل نہیں۔تمرد وسرکشی کے لیے ایک دفعہ کی توہین رسالت کافی ہے بار بار کرنے کی گنجائش کیوں رکھی جائے۔اس صورت میں عادت ہونے یا بتکرار کرنے کا محمل اعلانیہ توہین نہیں بلکہ خفیہ توہین ہے لیکن انتظام میں کچھ کوتاہی کی بنا پر ذمی کے مقام کے قریب سے گزرنے والے مسلمان اس کو سن لیتے ہیں۔چونکہ ذمی اس کو خفیہ کرنا چاہتا تھا اس لیے اس میں سرکشی وتمرد کی کمی ہے۔اس لیے پہلی دفعہ میں اس کو قتل نہ کیا جائے گا بلکہ اس کو تنبیہ کی جائے گی کہ آئندہ نہ کرنا ورنہ تم قتل کر دیے جاؤ گے۔اس تنبیہ کے بعد بھی پھر دوبارہ اس ناقص خفیہ طریقے سے توہین رسالت کرے تو اس کی سرکشی ثابت ہونے میں کچھ کمی نہیں رہی اور وہ سزائے قتل کا مستحق بن گیا۔

دو دفعہ کے ہونے سے تکرار ثابت ہوتی ہے

ولا یحد عند الامام الا اذا تکرر فیقتل علی المفتی بہ اہ قال البیری والظاھر انہ یقتل فی المرۃ الثانیۃ لصدق التکرار علیہ. (رد المحتار ص 171 ج 3)

(ترجمہ: پاخانے کی جگہ میں وطی کرنے کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے۔البتہ اگر وہ دوبارہ ایسا کرے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق اس کو قتل کیا جائے گا۔علامہ بیری کہتے ہیں ظاہر بات یہ ہے

کہ دوسری مرتبہ میں اس کو قتل کیا جائے گا کیونکہ دو دفعہ پر تکرار کا معنی صادق آتا ہے۔

ذمی نبی ﷺ پر سب وشتم کرے تو اس کی تعزیر میں اصل قتل ہے

اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں جو عمار خان صاحب ہی کے ذکر کردہ ہیں:

1- سیدنا ابو بکرؓ کے بارے میں مستند روایات سے ثابت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی سزا موت بیان فرمائی۔ تاہم ان کے فیصلوں سے واضح ہے کہ وہ اسے حد نہیں سمجھتے چنانچہ نبی ﷺ کی وفات پر بعض خواتین نے خوشی کے اظہار کے لیے دف بجائے تو سیدنا ابو بکر نے صرف ان کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ اسی طرح ان کے عہد میں مہاجر بن ابی امیہ کے سامنے ایک عورت کو پیش کیا گیا جس نے نبی ﷺ کے بارے میں ہجو یہ اشعار گائے تھے۔ انہوں نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا اور ایک دانت اکھاڑ دیا۔ سیدنا ابو بکرؓ کو خبر ملی تو انہوں نے کہا کہ اگر تم یہ فیصلہ نافذ نہ کر چکے ہوتے تو میں تمہیں اس عورت کو قتل کرنے کا حکم دیتا کیونکہ انبیاء کی توہین کی سزا عام سزاؤں کی طرح نہیں ہے۔

(توہین رسالت کا مسئلہ: ص 91)

2- امام موسیٰ کاظم روایت کرتے ہیں کہ مدینہ کے عامل زیاد بن عبید اللہ کے دور میں اس نوعیت کا ایک واقعہ پیش آیا اور اس نے مدینہ کے فقہاء سے رائے طلب کی تو...... امام جعفر صادق نے کہا کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے مابین فرق ہونا چاہئے چنانچہ ان کی رائے کے مطابق مجرم کو قتل کر دیا گیا۔

(توہین رسالت کا مسئلہ: ص 24)

مذکورہ بالا دونوں حوالوں میں دلیل یہ ضابطہ ہے کہ توہین رسالت کی سزا توہین صحابہ سے زیادہ ہونی چاہیے۔ توہین صحابہ کی سزا قتل سے کمتر ہے تو توہین رسالت کی سزا قتل ہونی چاہیے۔

3- ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کی لونڈی جو اس کے بچوں کی ماں بھی تھی نبی ﷺ کو برا بھلا کہتی اور آپ کی توہین کیا کرتی تھی اور اپنے مالک کے منع کرنے اور ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود اس سے باز نہیں آتی تھی۔ ایک دن اسی بات پر اس نے اشتعال میں آ کر اسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے اس کو بلا کر پوچھ گچھ کی اور پھر اس کی وضاحت سننے کے بعد فرمایا کہ **الا اشھدوا ان دمھا ھدر** یعنی گواہ رہو کہ اس عورت کا خون رائیگاں ہے۔

(توہین رسالت کا مسئلہ: ص 10,11)

4- عمیر بن امیہ کی بہن مشرک تھی اور اس نے نبی ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں سب وشتم کر کے عمیر کو اذیت پہنچانے کو ایک وطیرہ بنا رکھا تھا۔ اس کے اس رویے سے تنگ آ کر ایک دن عمیر نے اسے قتل کر دیا............ نبی ﷺ نے صورت حال معلوم ہونے کے بعد اس عورت کے خون کو رائیگاں قرار دے

دیا۔ (توہین رسالت کا مسئلہ: ص 11)

اگر ذمی کے سب وشتم پر تعزیر میں اصل سزا قتل کی نہ ہوتی تو احتمال تھا کہ مذکورہ بالا دو واقعات میں قاتلین سے باز پرس ہوتی اور ان سے کہا جاتا کہ تم کچھ اور صبر کرتے یا کچھ ہلکی سزا دیتے شاید کہ ان کو توفیق ہوتی اور وہ مسلمان ہو جاتیں اور تمہارا ان کو قتل کرنا حکمت ومصلحت کے خلاف تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ ان کے اقدام قتل کو روا رکھا تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کی سزا قتل ہی بنتی تھی جو کہ دی گئی۔

5- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک راہب کو لایا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ یہ نبی ﷺ کو برا بھلا کہتا ہے۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ اگر میں اس کی زبان سے سن لیتا تو اسے قتل کر دیتا۔

(توہین رسالت کا مسئلہ: ص 22)

مذکورہ بالا واقعات سے دو باتیں سامنے آئیں:

i- رسول اللہ ﷺ پر سب وشتم کرنے والے ذمی کی تعزیر میں اصل قتل ہے۔ اگر کسی نے اس کو موت سے کمتر سزا دی تو چونکہ قتل بھی تعزیر کے طور پر ہے اس لیے جب ایک دفعہ کمتر تعزیر کر دی گئی تو اب دوبارہ اس کو تعزیر نہ کریں گے۔

ii- تعزیر کا اجراء جیسے حکومت کر سکتی ہے اسی طرح کوئی دوسرا بھی کرے تو جائز ہے۔

تعزیر کون کر سکتا ہے؟

عمار خان صاحب کا موقف کہ تعزیر صرف حکومت کر سکتی ہے

عمار خان صاحب نے ہماری ذکر کردہ دوسری بات کے برعکس اپنی کتاب میں ایک پورا باب باندھا ہے اور اس کا عنوان رکھا ہے ''سزا کے نفاذ کا اختیار'' (توہین رسالت کا مسئلہ ص 91-104) عمار خان اس میں مولانا سرفراز خان رحمہ اللہ کے دروس قرآن پر مشتمل کتاب **ذخیرۃ الجنان** کا یہ اقتباس نقل کیا:

> ''حدود وتعزیرات کے جتنے بھی احکام ہیں یہ افراد کے لیے نہیں ہیں...... عام آدمی میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ چور کو پکڑ کر اس کے ہاتھ کاٹ دے۔ غیر شادی شدہ مرد وعورت زنا کریں تو ان کو کوڑے مارنے کا حکم قرآن میں مذکور ہے، مگر حکومت کے بغیر کسی کو حق نہیں کہ وہ کوڑے مارے۔ یہ حکومت کا کام ہے۔ اسی طرح یہود ونصاری اور دیگر کافروں سے لڑنا انفرادی کام نہیں ہے۔ یہ اجتماعی طور پر حکومت کا کام ہے...... تمہیں زبان سے سمجھانے کا حق ہے۔''

''اگر تمہیں اللہ تعالیٰ نے ہاتھ سے روکنے کی طاقت عطا فرمائی ہے، تمہارے پاس کوئی منصب ہے تو

روکو کیونکہ ہاتھ سے تو حکمران ہی روک سکتے ہیں، عام آدمی تو ہاتھ سے نہیں روک سکتا......

(توہین رسالت کا مسئلہ ص 97,98)

اس اقتباس کے بعد عمار صاحب لکھتے ہیں:

''اس اصول کے مطابق توہین رسالت کی سزا کے نفاذ پر بھی وہ تمام قیود و شرائط لاگو ہوتے ہیں جن کا اطلاق دوسری شرعی سزاؤں (یعنی حدود و قصاص) پر ہوتا ہے۔۔۔ چنانچہ کوئی شخص یا گروہ اپنی انفرادی حیثیت میں توہین رسالت کے مجرم کے لیے سزا کا اعلان کرنے یا اسے سزا دینے کا مجاز نہیں ہے اور دوسرے تمام جرائم کی طرح یہاں بھی جرم کے اثبات اور مجرم کو سزا دینے کے لیے باقاعدہ عدالتی کارروائی ضروری ہے۔'' (توہین رسالت کا مسئلہ ص:98)

پیچھے ذکر کردہ بعض واقعات سے مختلف تاثر سامنے آتا ہے اس لیے عمار صاحب ان کی توجیہ کرتے ہیں:

''ان واقعات میں جن مخصوص پہلوؤں کو اس رعایت کا موجب کہا جا سکتا ہے وہ تین ہیں:

۱۔ ایک تو یہ کہ یہاں جرم کے تحقق اور ثبوت کے معاملے میں کوئی خفا یا شبہ نہیں تھا۔ روایت میں جس اسلوب سے ان کا جرم بیان کیا گیا ہے اس سے واضح ہے کہ ان کا یہ طرز عمل عمومی طور پر معلوم و معروف تھا یعنی ایسا نہیں تھا کہ جرم کا افشا یا اس کا ثبوت محض قاتل کے بیان پر منحصر تھا اور اس کے علاوہ اس کا کوئی ثبوت میسر نہیں تھا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ان میں جرم کو ایک معمول اور عادت بنا لینے والے مجرموں کا ذکر ہوا ہے جو جان بوجھ کر اور قصداً اشتعال پیدا کر رہے تھے اور مسلسل تنبیہ کے باوجود ایسا کرنے سے باز نہیں آرہے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر معمولی صورت حال ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ یہاں جن افراد نے مجرموں کو قتل کیا تھا انہوں نے غیر معمولی جذبہ ایمانی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے عزیز ترین قرابت داروں کو پیغمبر ﷺ کی حرمت و ناموس پر قربان کر دیا تھا۔ (توہین رسالت کا مسئلہ ص 101,102)

ان تینوں وجوہ کو سامنے رکھا جائے تو واضح ہوگا کہ جرم کی سنگین نوعیت اور اس کے وقوع کے بالکل قطعی اور یقینی ہونے کی وجہ سے یہاں مجرم اصولی طور پر مباح الدم ہو چکے تھے اور اس کے بعد اگر کسی نے انہیں قتل کر دیا تو زیادہ سے زیادہ اسے کوئی تعزیری اور تادیبی سزا دی جا سکتی تھی لیکن چونکہ جان لینے والے افراد نے یہ قدم نبی ﷺ کی محبت میں اٹھایا تھا اور اس کے لیے بہن اور بیوی جیسے رشتوں تک کو قربان کر دیا تھا اس لیے ان کی اس غیر معمولی غیرت وحمیت کے

پیش نظر نبی ﷺ نے انہیں اپنے دائرۂ اختیار سے تجاوز پر کوئی سزا دینا مناسب نہیں سمجھا۔ چنانچہ ان واقعات سے اگر کوئی قانونی نکتہ اخذ کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ اگر مقتول کا جرم ثابت ہو اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے واقعتاً قتل کی سزا کا مستوجب ہو تو قاتل کو مخصوص صورتحال کی رعایت سے سزا سے بری کیا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ کسی طرح اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ کسی بھی شخص کو قانون اور عدالت سے ماورا ایسے قضیے خود نمٹانے کی اجازت حاصل ہے۔''

(توہین رسالت کا مسئلہ ص 102)

<u>ہم کہتے ہیں</u>

تعزیر صرف حاکم ہی نہیں کوئی دوسرا بھی مجرم کو ارتکاب جرم کی حالت میں نھی عن المنکر کے طور پر کر سکتا ہے۔

(i) علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے حد اور تعزیر کے درمیان فرق کرتے ہوئے جو نکات ذکر کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

وزاد بعض المتأخرين ان الحد مختص بالامام والتعزير يفعله الزوج والمولى و كل من رائ احدا يباشر المعصية. (رد المحتار باب التعزير)

ترجمہ: بعض متاخرین نے حد اور تعزیر کے درمیان اس فرق کا اضافہ کیا ہے کہ حد کا اجراء صرف حکومت ہی کر سکتی ہے جب کہ تعزیر کو شوہر، مالک اور ہر وہ شخص جاری کر سکتا ہے جو کسی کو برائی کا ارتکاب کرتے دیکھے (یہ حنفیہ کے یہاں اس پر محمول نہیں ہے کہ حاکم نے شوہر و مالک کو تعزیر کرنے کا اختیار دیا ہو بلکہ یہ نہی عن المنکر پر محمول ہے۔)

(ii) علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

لو رأى رجلا يزني بامرأته او امرأة آخر و هو محصن فصاح به فلم يهرب ولم يمتنع عن الزنا حل له قتله ولا قصاص عليه (رد المختار ص 197 ج 3)

(ترجمہ: زید نے اگر ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اس کی بیوی کے ساتھ یا کسی اور کی عورت کے ساتھ زنا کر رہا ہے حالانکہ وہ محصن ہے اور زید نے اس کو للکارا لیکن مجرم نہ تو بھاگا اور نہ زنا کرنے سے باز آیا تو زید اس کو قتل کر سکتا ہے اور زید پر قصاص نہ ہوگا۔

تنبيه: قال في النهر و رده ابن وهبان بانه ليس من الحد بل من الامر بالمعروف والنهي عن المنكر. (رد المحتار، باب التعزير)

(ترجمہ: محصن ہونے کی شرط کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ قتل زنا کی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے طور پر ہے)۔

iii- علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رجل رأى رجلا مع امرأته يزنى بها او يقبلها او يضمها الى نفسه وهى مطاوعة فقتله او قتلهما لا ضمان عليه ولا يحرم من ميراثها ان اثبته بالبينة او بالاقرار. ولو راى رجلا مع امرأته فى مفازة خالية او رأه مع محارمه هكذا ولم يرمنه الزنا و دواعيه قال بعض المشائخ حل قتلهما و قال بعضهم لا يحل حتى يرى منه العمل اى الزنا و دواعيه. (رد المحتار ص 197 ج 3)

(ترجمہ: زید نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اس کی (یعنی زید کی) بیوی کے ساتھ زنا کر رہا ہے یا اس کا بوسہ لے رہا ہے یا اس کو اپنے ساتھ چمٹائے ہوئے ہے اور عورت اس پر راضی ہے تو زید اس شخص کو قتل کرسکتا ہے اور دونوں کو بھی قتل کرسکتا ہے اور زید پر کچھ تاوان نہ آئے گا اور نہ ہی وہ اپنی بیوی کی میراث سے محروم ہوگا جب کہ وہ اس واقعہ کے ثبوت پیش کردے یا مجرم کا اقرار ثابت کردے (اقرار کی صورت یہ ہے کہ مجرم پہلے بھی ایسی حرکت کر چکا ہو اور کچھ لوگوں کے سامنے اقرار کر چکا ہو لیکن زید کے مشاہدہ میں نہ آیا ہو۔) اور اگر زید نے ایک ویران جنگل میں ایک شخص کے ساتھ اپنی بیوی یا اپنی کسی محرم کو دیکھا لیکن ان کو زنا یا دواعی زنا کرتے نہ دیکھا تو بعض مشائخ کا کہنا ہے کہ زید ان دونوں کو قتل کرسکتا ہے جب کہ دوسروں کا کہنا ہے کہ جب تک زید ان کو زنا یا دواعی زنا میں مبتلا نہ پائے ان کو قتل نہیں کرسکتا۔)

علامہ حصکفی **در مختار** میں لکھتے ہیں:

وعلى هذا القياس المكابر بالظلم و قطاع الطريق و صاحب المكس و جميع الظلمة بادنى شئ له قيمة و جميع الكبائر والا عونة والسعاة يباح قتل الكل ويثاب قاتلهم (باب التعزير)

(ترجمہ: بدکاری کی مذکورہ صورت پر قتل کرنے کی مثل ان لوگوں کو قتل کرنا بھی ہے جو زور وزبردستی کی وجہ سے ظلم کرتے ہوں اور جو رہزنی کرتے ہوں اور جو زبردستی کا ٹیکس وصول کرتے ہوں اور جو ذرا سی قیمت والی چیزوں کی وجہ سے ظلم کرتے ہوں اور جو کبائر کے مرتکب ہوں اور جو حکمرانوں کے پاس جا کر لوگوں کی جھوٹی سچی چغلیاں کرتے ہوں اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہوں۔ ان کا قتل مباح ہے اور قاتل کو اس پر ثواب ملتا ہے)۔

اوپر کے واقعات میں جس شخص نے اپنی بہن یا باندی کو قتل کیا عمار صاحب کے ذکر کردہ ضابطہ کے مطابق کہ تعزیر کا حق صرف حاکم کو ہے خود ان کے خلاف بہت کچھ کلام ہوسکتا ہے مثلاً:

1- ان قاتلین کے بارے میں نبی ﷺ سے یہ منقول نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کو قتل کرنے سے پہلے آپ سے رجوع نہ کرنے پر کوئی تنبیہ کی ہو۔

2- عمار صاحب کی کتاب کے ص 101 پر مذکور باندی اور بہن کے واقعات میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جو

اس پر دلیل ہو کہ مجرم عورت اعلانیہ سب وشتم کرتی تھی۔

3- ان دو حضرات نے مشتعل ہو کر قتل کیا حالانکہ سب وشتم کا واقعہ پہلی مرتبہ کا نہیں تھا اور وہ حضرات نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر پہلے آپ سے اس کا تذکرہ کر سکتے تھے۔ قوی احتمال ہے کہ آپ ﷺ ان کو کوئی مناسب مشورہ دیتے جس سے ان مقتولین کی دنیا و آخرت دونوں بن جاتیں۔ صرف ایک عصماء بنت مروان جو بنوخطمہ کی عورت تھی اس کے بارے میں ہے کہ وہ انتہائی توہین آمیز اشعار کہتی تھی اور نبی ﷺ کی ذات اور اسلام پر طعنہ زنی کرتی تھی اور لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتی تھی۔ اس کو عمیر بن عدی نے قتل کر دیا تھا۔ جو اسی کی قوم میں سے تھے۔

اس کے برعکس عمار خان صاحب کہتے ہیں کہ ان مقتول عورتوں کا طرز عمل معلوم و معروف تھا یعنی پبلک میں اعلانیہ تھا اور جرم کو عادت بنا لیا تھا اور منع کرنے کے باوجود باز نہیں آئیں اس سے وہ مباح الدم ہو چکی تھیں اور ایک غیر معمولی صورتحال بن چکی تھی۔ ان حضرات کا ان عورتوں کو خود قتل کرنا ضابطہ کی رو سے تو جائز نہیں تھا لیکن مباح الدم ہونے کی وجہ سے اور اس قرینہ سے کہ مقتول عورتیں قاتلوں کے تعلق والی اور رشتہ دار تھیں رسول اللہ ﷺ نے ان کو ماورائے عدالت کارروائی کرنے پر کوئی سزا نہیں دی۔

لیکن خود عمار خان صاحب نے چند اور ایسے واقعات ذکر کئے ہیں جو ان کے فلسفہ اور فکر سے مطابقت نہیں رکھتے مثلاً:

i- عرفہ بن حارث کندیؓ کے پاس سے ایک نصرانی گذرا۔ انہوں نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے غصے میں آ کر رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کر دی۔ اس پر عرفہ نے زور سے مکہ مار کر اس کی ناک توڑ دی۔ معاملہ عمرو بن العاصؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے عرفہ سے کہا کہ ہم نے تو ان کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا ہے۔ عرفہ نے کہا کہ اس بات سے اللہ کی پناہ کہ ہم نے ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی شان میں کھلم کھلا گستاخی کی اجازت دینے پر معاہدہ کیا ہو عمرو بن العاص نے بھی ان کی بات سے اتفاق کیا۔ (توہین رسالت کا مسئلہ: ص 23)

اس قصہ میں عرفہ بن حارثؓ نے ماورائے عدالت مجرم کو مکا مار کر اس کی ناک توڑ دی۔ اس وقت اس جگہ کے حاکم عمرو بن عاصؓ کے پاس جب مقدمہ لایا گیا تو انہوں نے عرفہ کو یہ نہیں کہا کہ تم نے از خود یہ اقدام کیوں کیا۔ اب جو تم اس کو میرے پاس لائے ہو پہلے کیوں نہیں لائے تھے۔

ii- ایک موقع پر ابن یامین نضری نے محمد بن مسلمہؓ کے سامنے سیدنا معاویہؓ (اور ایک روایت کے مطابق مروان بن الحکم) کی مجلس میں یہ کہہ دیا کہ یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کے سردار کعب بن اشرف کو بد عہدی کرتے ہوئے قتل کیا گیا تھا۔ اس پر محمد بن مسلمہؓ نے (جنہوں نے نبی ﷺ کے کہنے پر کعب بن

اشرف کو قتل کیا تھا) سیدنا معاویہ یا مروان بن الحکم سے کہا کہ آپ کی مجلس میں نبی ﷺ کی طرف بدعہدی کرنے کی نسبت کی جا رہی ہے اور آپ اس پر کوئی انکار نہیں کر رہے! پھر انہوں نے ابن یامین کو دھمکی دی کہ میں تمہارے ساتھ کسی مجلس میں نہیں بیٹھوں گا اور اگر کہیں تم مجھے تنہا مل گئے تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ اس کے بعد ایک موقع پر ابن یامین ان کے قابو میں آ گیا تو انہوں نے چھڑیوں سے اس کی خوب پٹائی کی اور کہا کہ میرے پاس اس وقت تلوار ہوتی تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔

(توہین رسالت کا مسئلہ: ص 23,24)

اس واقعہ میں حاکم کی مجلس میں محمد بن مسلمہؓ نے معاملہ کو حاکم پر نہیں چھوڑا حالانکہ ہو سکتا ہے کہ حاکم نے توجہ دلائے جانے کے باوجود اس لیے تعزیر نہ کی ہو کہ اس میں کوئی مصلحت سمجھی ہو۔ محمد بن مسلمہؓ نے یہ دیکھ کر کہ قابل تعزیر فعل پر حاکم نے کچھ بھی تعزیر نہیں کی نہ جسمانی نہ کلامی (یعنی ڈانٹ ڈپٹ) تو انہوں نے حاکم کی مجلس ہی میں اسے قتل کرنے کی دھمکی دی اور بعد میں موقع پانے پر اس کی خوب پٹائی کی۔ اور ساتھ میں یہ بھی کہا (کہ چونکہ توہین کی تعزیر میں اصل قتل ہے اس لیے) میرے پاس اس وقت تلوار ہوتی تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔ حاکم نے ان پر کوئی نکیر نہیں کی اور نہ ہی ان کے خلاف توہین عدالت کا مقدمہ لگایا جس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ حاکم کو بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس نے قابل تعزیر فعل پر کچھ تعزیر نہ کر کے غلطی کی تھی جو کہ حضرت معاویہؓ کے حاکم ہونے کی صورت میں اجتہادی تھی کیونکہ وہ فقیہ تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی ذمی رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک تو وہ واجب القتل ہے ہی الا یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی وہ واجب التعزیر ہے اور تعزیر میں بھی فوقیت قتل کو ہے۔ البتہ اگر کوئی حاکم اس کو کم سزا دے تو اس کا بھی تحمل کیا جائے گا بشرطیکہ مجرم نے اعلانیہ گستاخی نہ کی ہو چھپا کر کی ہو۔

تعزیر کرنے کا حق عدالت کو تو ہے ہی کوئی اور بھی اگر مجرم کو تعزیر میں قتل کر دے تو یہ بھی جائز ہے بلکہ جب مسلمانوں کی حکومت اور عدالت سزا دینا تو درکنار مجرم کی، کافروں کی اور بددینوں کی پشت پناہی کر رہی ہوں تو اس وقت عام لوگ اگر توہین رسالت کے واقعی مجرم کو خود قتل کر دیں تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ نہی عن المنکر کے تحت ثواب کا کام بھی ہے جیسا کہ محمد بن مسلمہؓ اور ابن یامین نضری کے قصہ سے معلوم ہوا۔

یہاں کوئی یہ اعتراض کرے کہ نہی عن المنکر کے طور پر تعزیر کوئی دوسرا جرم کے ارتکاب کی حالت میں کر سکتا ہے بعد میں نہیں تو محمد بن مسلمہؓ نے بعد میں کیسے کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ محمد بن مسلمہؓ نے ابن یامین کی بات کو توہین رسالت پر محمول کیا اور وہ واجب التعزیر فعل تھا۔ جب حاکم نے اس کو تعزیر نہ کی تو محمد بن مسلمہؓ نے خود تعزیر کی۔ غرض یہ تھی کہ توہین رسالت کا جرم تعزیر سے خالی نہ رہنا چاہیے۔

تنبیہ 1

یہاں یہ نکتہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ اس طرح سے کوئی توہین رسالت کے قانون کو غلط استعمال کر سکتا ہے اور کسی سے اپنی دشمنی نکال کر یہ دعوی کر سکتا ہے کہ مقتول نے اس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی جس سے مشتعل ہو کر اس نے مجرم کو قتل کر دیا یا کچھ لوگوں نے شور مچا دیا کہ فلاں نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے اور قاتل نے لوگوں کو سچا سمجھ کر بلا تحقیق اس کو قتل کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ نہیں کہا کہ جو کوئی مقتول یا مضروب کے خلاف توہین رسالت کا دعویٰ کرے تو اس کا دعوی ضرور سچا ہو گا بلکہ تحقیق کی جائے گی اور اگر ثابت ہو کہ قاتل یا ضارب کا دعویٰ جھوٹا تھا اور اس نے اس قانون کی آڑ میں اپنی دشمنی نکالی ہے تو اس کو اس کے مطابق سزا دی جائے گی۔ بہن اور باندی کے قتل کے جو قصے گذرے ان میں بھی ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قاتلین سے تحقیق کی تھی۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ جو واقعی مجرم ہے اس کو سزا دینے میں حکومت اور عدالت لیت ولعل سے کام نہ لے تا کہ لوگ ان سے مایوس ہو کر از خود قتل کا اقدام نہ کرنے لگیں۔

تنبیہ:2

توہین رسالت پر سزائے قتل کے قانون کو کسی مسلمان کا برا کہنا اس کو بھی توہین رسالت لازم ہے کیونکہ جس قانون کی بنیاد شرعی دلیل ہو اور اس سے لوگوں کو زجر ہو اور جس پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کرایا ہو اور صحابہ نے عمل کیا ہو اس کی توہین کرنا ایک تو شریعت کے حکم و قانون کی توہین کرنا ہے جو کہ خود کفر کی بات ہے اور دوسرے یہ کہنے کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ کہنے والا توہین رسالت کے سدباب کو پسند نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ صاحب رسالت کی شان میں لوگوں کو جو وہ چاہیں کہنے کی آزادی ہو۔ یہ بھی ایک بڑی خرابی ہے اور اس کی اجازت نہ کسی مسلمان کو ہے نہ کسی کافر کو۔

عمار خان صاحب کے استدلال کا جواب

عمار خان نے اپنے مدعا یعنی سزا کے نفاذ کا اختیار حاکم تک محدود کرنے میں مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

''جب زنا کا جرم ثابت کرنے کے لیے چار گواہ پیش کرنے کا قانون نازل ہوا تو سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ میں تو اگر اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو دیکھوں گا تو سیدھی تلوار کے ساتھ وار کر کے اس کا کام تمام کر دوں گا۔ یہ تبصرہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچا تو آپ نے فرمایا:

تم سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو، بخدا میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ

غیرت مند ہے۔اس نے غیرت ہی کی وجہ سے بے حیائی کے کھلے اور چھپے کاموں کو حرام کیا ہے،لیکن بات یہ ہے اللہ سے بڑھ کر کسی کو یہ بات پسند نہیں کہ مجرم کو صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔''

(توہین رسالت کا مسئلہ:ص:92)

جواب:

اس حدیث کی متعدد صورتیں بن سکتی ہیں:

1- اجنبی مرد و عورت دونوں قریب بیٹھے ہوں یا کھڑے ہوں لیکن کوئی ناجائز حرکت میں مبتلا نہ ہوں۔ایسی صورت میں مرد و عورت کو اپنا عذر پیش کرنے کا موقع ملنا چاہیے اور شوہر کو چاہیے کہ وہ پاس پڑوس سے مدد لے کر غیر مرد کو پکڑ کر عدالت میں لے جائے یا حاکم کے پاس پیش کرے۔دوسرے لفظوں میں وہ ان کو تھانے میں پیش کرے۔ اس کی وجہ یہ احتمال ہے کہ مجرم نے عورت کو مجبور کیا ہو۔

2- دونوں قابل اعتراض حالت میں ہوں یعنی جماع کی حالت میں ہوں یا مرد عورت کو اپنے ساتھ چمٹائے ہوئے ہو اور عورت مزاحمت نہ کر رہی بلکہ اس کی مرضی معلوم ہوتی ہو تو اگر یہ ممکن ہو کہ شوہر اس وقت میں گواہ بنا لے تب تو خود قتل نہ کرے بلکہ ان کو پکڑ کر عدالت میں پیش کرے اور گواہ گواہی دیں۔

3- اگر شوہر کو خیال ہو کہ جتنی دیر میں وہ گواہ لائے گا اتنی دیر میں مرد مجرم بھاگ چکا ہوگا اور وہ اپنی غیرت کی وجہ سے یا نہی عن المنکر کے جذبے سے دونوں کو قتل کر دے تو عنداللہ وہ مجرم نہ ہوگا بلکہ مستحق ثواب ہوگا لیکن دنیا کی عدالت میں بہر حال اس کو اپنی براءت ثابت کرنے کے لیے گواہ یا دیگر ثبوت پیش کرنے ہوں گے۔اگر شوہر کے سچے ہونے کے کچھ بھی قرائن نہ ہوں تو شوہر کو قصاص میں قتل کیا جا سکتا ہے یا اس سے دیت لی جا سکتی ہے۔

4- اگر شوہر کی آمد محسوس کر کے مرد کسی طرح سے بھاگ جائے اور عورت موجود ہو تو مرد اس سے لعان کر سکتا ہے۔

عمار خان صاحب کے سابقہ اعتراض کا دوسرا جواب

عمار خان لکھتے ہیں:

''ہمارے ہاں چونکہ ایک خاص جذباتی فضا میں بہت سے حنفی اہل علم بھی فقہ حنفی کے کلاسیکی موقف کو بعض متاخرین کے فتوؤں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں''(توہین رسالت کا مسئلہ ص 54)

جواب

ہم کہتے ہیں

(1) متقدمین میں سے امام محمد رحمہ اللہ کا قول پیچھے گذرا ہے کہ جو اعلانیہ توہین رسالت کرے اسے قتل کیا جائے گا۔

(2) ہمیں متاخرین کا قول حدیث کے اور عمار خان کے ذکر کردہ واقعات کے زیادہ موافق نظر آیا اس لیے ہم نے اس کو اختیار کیا اور اس کو اختیار کرنا اگر بے اصولی ہوتی تو متاخرین وہ قول ہی نہ کرتے۔

(3) متاخرین کا قول ہمیں اپنے زمانے کے حالات کے بھی زیادہ موافق نظر آیا ہے۔

(4) خود عمار خان صاحب کی بات سے بھی ان کے اعتراض کا جواب نکلتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''جہاں تک ریاست کی سطح پر قانون سازی کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ قانون ساز ادارے ایک فقہی مکتب فکر کی آرا کے پابند نہیں ہیں۔ ایک اجتہادی مسئلے میں انہیں پورا حق حاصل ہے کہ وہ دین وشریعت کی جس تعبیر کو زیادہ درست سمجھیں (خواہ وہ کسی بھی فقہی مکتب کی ہو اور خواہ وہ متقدمین کی ہو یا متاخرین کی ہو......عبدالواحد) اسی پر قانون سازی کی بنیاد رکھیں لیکن اس کی وجہ سے نہ تو علمی دائرے میں بحث ومباحثہ پر کوئی قدغن عائد کی جاسکتی ہے اور نہ اس امکان کا دروازہ بند کیا جا سکتا ہے کہ اگر غور وفکر اور بحث ومباحثہ کے نتیجے میں قانون ساز ادارے کسی دوسری تعبیر کی صحت پر مطمئن ہو جائیں تو پھر وہ اسے قانون کا درجہ دے دیں۔'' (ص 89)

قانون سازی کے کیا اصول ہیں؟ اس وقت ہماری گفتگو کا یہ موضوع نہیں ہے۔ لیکن عمار خان صاحب قانون سازی سے متعلق اپنے ذکر کردہ اصول (یعنی یہ کہ قانون ساز ادارے ایک فقہی مکتب فکر کی آراء کے پابند نہیں ہیں) کے برخلاف اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے موجودہ حنفی اہل علم کو جمود وتعصب کا سبق پڑھا رہے ہیں کہ تم تو حنفی ہو اور اصلی حنفیت کلاسیکی حنفیت ہے متاخرین کی نہیں لہٰذا تم پر لازم ہے کہ تم اس مسئلے میں کلاسیکی حنفیت پر جمے رہو (امام محمدؒ اگرچہ کلاسیکی فقہاء میں سے ہیں لیکن نہ جانے عمار خان صاحب ان کے قول کو کیوں بھول جاتے ہیں............عبدالواحد) اور اس سے کچھ انحراف نہ کرو اور متاخرین کے فتوؤں کی طرف مت جاؤ۔ اگر تم نے متاخرین کے (اور ائمہ ثلاثہ کے) فتوؤں کو لیا تو تم نے ان کے پردے میں کلاسیکی حنفیت کو چھپایا اور ان تمام حکمتوں اور مصلحتوں کو قربان کیا جن کی رعایت خود نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے کی۔

توہین رسالت پر سزائے موت اور حکمت ومصلحت کے تقاضے

عمار خان نے اپنی کتاب میں ''حکمت ومصلحت کے چند اہم پہلو'' کے عنوان سے ایک مستقل باب باندھا ہے۔ اور اس میں توہین رسالت کے مرتکب کو قتل نہ کرنے میں جو حکمتیں ومصلحتیں شمار کرائی ہیں وہ یہ ہیں۔

i- اجڈ اور تربیت سے محروم افراد کی رعایت۔

ii- مجرم کے لیے توبہ واصلاح کا موقع۔

iii- رشتہ وقرابت اور شخصی تعلقات کی رعایت۔

iv- عملی مجبوری یا ضرورت کی رعایت۔

v- مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعیت کا لحاظ۔

vi- اقدام کے عملی نتائج پر نظر۔

vii- جرم کو محیط ماحول اور حالات کی رعایت۔

آگے ہم ان مذکور حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت جو کچھ عمار خان صاحب نے لکھا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔

i- اجڈ اور تربیت سے محروم افراد کی رعایت

عمار خان لکھتے ہیں:

کتب حدیث میں بعض ایسے واقعات روایت ہوئے ہیں جن میں اجڈ، غیر تربیت یافتہ اور گنوار قسم کے افراد نے نبی ﷺ کے ساتھ توہین آمیز رویہ اختیار کیا لیکن آپ نے ان کے گنوار پن کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے درگزر فرمایا۔'' (توہین رسالت کا مسئلہ ص 67)

ہم کہتے ہیں

اجڈ اور تربیت سے محروم افراد کسی کام یا گفتگو کے آداب سے واقف نہیں ہوتے اس لیے آداب میں ان کی عدم واقفیت عذر بنتی ہے اور ان کی رعایت کا تقاضا کرتی ہے لیکن گالم گلوچ اور برا بھلا کہنا اس سے اور اس کی حقیقت سے اور اس کے نتائج سے وہ ناواقف نہیں ہوتے۔ آداب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان سے کچھ تکلیف پہنچ سکتی ہے لیکن چونکہ تکلیف دینے کا ان کا قصد نہیں ہوتا اس لیے ان سے درگزر کیا جاتا ہے جیسا کہ اس عنوان کے تحت ان واقعات میں ملتا ہے جو عمار خان نے ذکر کیے ہیں:

الف۔ مسجد نبوی کا صحن کچا تھا اور صفیں نہ ہوتی تھیں۔ ایک اعرابی مسجد میں آیا اور ایک طرف بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا۔

ب۔ رسول اللہ ﷺ ایک چادر جس کے کنارے موٹے اور کھردرے تھے اوڑھے ہوئے جا رہے تھے راستے میں ایک بدوی ملا (جو آداب سے ناواقف تھا اور آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے) اس نے آپ کی چادر کو پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ آپ کے کندھے پر چادر کا نشان پڑ گیا۔ (توہین رسالت کا مسئلہ: ص 67)

اس کے برعکس اجڈ، گنوار اور بدوی بھی جانتے ہیں کہ گالم گلوچ دوسرے کی تحقیر و توہین کے لیے کی جاتی ہے اور کوئی ان کو گالم گلوچ کرے تو وہ اس میں اپنی توہین و تحقیر محسوس کرتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ آداب میں

فروگذاشت اور چیز ہے اور سب وشتم اور چیز ہے۔

ii- مجرم کے لیے توبہ واصلاح کا موقعہ

عمار خان کا یہ نکتہ دل کو لگتا ہے جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی ذمی کو مسلمان ہونے کا موقع دیا جائے گا۔لیکن اگر ذمی توہین کرنے کے بعد بھی کفر پر جما رہے تو موجودہ حالات زیادہ مہلت دینے کے مقتضی نہیں کیونکہ خود عمار خان کے بقول اندلس میں رسول اللہ ﷺ پر سب وشتم کی تحریک چلائی گئی۔اس کی تفصیل جو عمار خان نے لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف عام مسلمانوں نے ابتداءً اس طرح کے واقعات کو نظر انداز کیا بلکہ مالکی قاضیوں نے بھی بعض مجرموں کو سزائے موت دینے سے گریز کرتے ہوئے انہیں اپنی روش سے باز آنے کا موقع دیا لیکن پھر ان کی ہٹ دھرمی اور ضد کو دیکھتے ہوئے انہیں سزائے موت دی۔''(ص 27)

سب جانتے ہیں کہ موجودہ حالات کہیں زیادہ سنگین ہیں۔امریکہ اپنے نئے عالمی نظام (New World Order) کے تحت خاص طور پر مسلمانوں کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتا ہے اور اس کے لیے وہ اپنے آپ کو عقلی واخلاقی ضابطوں کا پابند نہیں سمجھتا اور ہمارے ملک کے اندر بھی ایک ایسا طبقہ موجود ہے جس کو اسلام سے،مسلمانوں سے اور مسلمانوں کے ملک سے کوئی تعلق ودلچسپی نہیں۔اس کی سوچ اور مطمح نظر اپنے ذاتی مفادات تک ہے۔یہ طبقہ اسلام اور اسلام کے تقاضوں سے بہت حد تک آزاد ہے۔ایسے میں عمار خان صاحب اپنی تحریروں سے اس طبقہ کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں لیکن اوپر سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ قرآن وسنت کی خدمت اور امت کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ایسے رہنما تو پہلے ہی بہت تھے عمار خان نے اس تعداد میں محض اضافہ کیا ہے۔

ہم بھی سمجھتے ہیں کہ جوش وجذبات میں مبتلا ہو کر شریعت کے احکام کو نظر انداز کرنا کوئی اچھا عمل نہیں لیکن اس کی اصلاح کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ شریعت کے احکام کو ہی الٹ پلٹ کر دیں۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسلاف سے جو دین چلا آ رہا ہے اور اس کے جو اصول چلے آ رہے ہیں ان کی پاسداری کرتے ہوئے لوگوں کو دین سکھائیں۔

عمار خان نے سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کی ایک تحریر نقل کی جو یہ ہے:

''ذات باری یا دین کو برا بھلا کہنے والا اگر مسلمان ہو تو ایسا کرنے سے وہ اسلام سے مرتد اور کافر قرار پائے گا اور اسے توبہ کے لیے کہا جائے گا......''(توہین رسالت کا مسئلہ:ص 71)

اس عبارت میں اس مسلمان کا حکم مذکور ہے جو نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرے ذمی کا حکم مذکور نہیں ہے۔بن باز رحمہ اللہ نے مسلمان کے بارے میں حنفیہ کے موقف کو ترجیح دی ہے۔

اس کے علاوہ بھی عمار خان نے جو واقعات ذکر کئے ہیں وہ ذمی کے نہیں ہیں مثلاً:

الف۔مشرکین کے ساتھ ایک جنگ کے موقع پر جب دونوں لشکر آ نے سامنے صف آرا ہوئے تو ایک مشرک نے نبی ﷺ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔اس پر ایک مسلمان نے اس سے کہا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں تم مجھے اور میرے باپ کو گالی دے لو لیکن نبی ﷺ کو برا بھلا کہنے سے باز آ جاؤ (لیکن وہ مشرک باز نہیں آیا)۔تیسری مرتبہ منع کرنے کے بعد وہ مسلمان تلوار لے کر اس کے پیچھے مشرکین کے لشکر میں گھس گیا اور اسے قتل کرتے کرتے خود بھی مشرکین کی تلواروں کا شکار ہو گیا۔(توہین رسالت کا مسئلہ:ص 70)

دیکھئے یہ ایک حربی کافر کا مسئلہ ہے ذمی کا نہیں۔

ب۔نبی ﷺ نے حذیفہ بن الیمانؓ کو دبا اور عمان کے علاقوں میں محصل بنا کر بھیجا تھا۔نبی ﷺ کے انتقال کے بعد اس علاقے کے لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا اور مرتد ہو گئے (آگے ان مرتدین کی توہین رسالت کا قصہ ہے) یہ قصہ بھی مرتد کا ہے ذمی کا نہیں حالانکہ بحث ذمی کے بارے میں ہے۔

iii-رشتہ وقرابت اور شخصی تعلقات کی رعایت

عمار خان نے اس عنوان کے تحت یہ قصہ نقل کیا کہ ایک موقع پر سیدنا ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہ نے جو اس وقت حالت کفر میں تھے سیدنا ابو بکر کے سامنے نبی ﷺ کو برا بھلا کہا تو انہوں نے اس زور سے انہیں تھپڑ مارا کہ وہ زمین پر گر گئے۔نبی ﷺ نے فرمایا آئندہ ایسا مت کرنا۔(توہین رسالت کا مسئلہ ص:73)

یہ قصہ بھی حربی کا ہے ذمی کا نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں

اگر کوئی ذمی اعلانیہ سب وشتم نہ کرے بلکہ اپنے کسی مسلمان عزیز یا تعلق والے کے سامنے کر بیٹھے اور مسلمان رشتہ دار اس کی رعایت کرتے ہوئے اور اصلاح کا موقع دیتے ہوئے نہ خود کوئی کارروائی کرے اور نہ معاملہ کو عدالت میں لے جائے تو وہ ایسا کر سکتا ہے جیسا کہ ایک مالک نے اپنی باندی کو ایک عرصے تک مہلت دیے رکھی اور عمیر بن امیہ نے اپنی بہن کو مہلت دیے رکھی۔لیکن جب معاملہ عدالت میں چلا جائے تو اس وقت رشتہ وقرابت اور تعلق کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔

iv-عملی مجبوری یا ضرورت کی رعایت

عمار خان کے اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ کافر کسی مسلمان کو پکڑ لیں اور اس کو دھمکی دیں کہ وہ جب تک نبی ﷺ کو گالی نہ دے وہ اس کو نہ چھوڑیں گے یا اس کو قتل کر دیں گے تو اگر مجبور مسلمان کا دل اسلام پر مطمئن ہو اور وہ زبان سے کچھ کلمات کہہ دے تو وہ اس کے لیے معاف ہیں۔حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ ایسے ہوا۔

ہم کہتے ہیں

یہاں بھی مصلحت مسلمان کے ساتھ ہے کافر ذمی کے ساتھ نہیں الا یہ کہ وہ ثابت کرے کہ دوسرے لوگوں نے اس کو جان کی دھمکی دے کر کہلوایا ہے۔ظاہر ہے کہ توہین رسالت کا قانون اس وقت اس پر لاگو نہیں ہوگا۔

مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعیت کا لحاظ

عمار خان صاحب لکھتے ہیں:

نبی ﷺ نے متعدد مواقع پر توہین اور گستاخی کا رویہ اپنانے والے افراد سے صرف اس مصلحت کے پیش نظر کوئی تعرض نہیں کیا کہ اس سے یہ منفی تاثر پیدا ہونے کا خدشہ تھا کہ محمد اپنے ساتھیوں کو خود ہی قتل کر دیتے ہیں۔''(توہین رسالت کا مسئلہ ص 78)

ہم کہتے ہیں کہ یہ واقعہ منافق کے بارے میں تھا کھلے ذمی کے بارے میں نہیں تھا اور ذمی کے بارے میں توہین رسالت کے قانون میں سزائے موت سے مسلمانوں کی وحدت واجتماعیت پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔جب اہل علم اور قانون دان سب اس پر متفق ہو کر قانون بنادیں تو بد دین اور بے دین نام کے مسلمانوں کے اختلاف کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ ایسے لوگ تو خود حد و تعزیر کے خود مستحق ہیں۔

اقدام کے عملی نتائج پر نظر

عمار خان صاحب لکھتے ہیں:

بعض اوقات آپ نے اس عملی حقیقت کی رعایت سے توہین و تنقیص کے مجرموں سے صرف نظر فرمایا کہ جس گروہ کی طرف سے یہ رویہ اختیار کیا گیا ہے معروضی صورتحال میں اس سے مؤثر طور پر نمٹنا ممکن نہیں اور ایسا کرنے سے زیادہ بڑے نقصان کا اندیشہ ہے۔(توہین رسالت کا مسئلہ ص 79)

ہم کہتے ہیں

کہ یہ بات توجہ طلب ہے لیکن اس وقت جب حکومت اسلامی ہو اور قوانین اسلامی کے بارے میں مخلص ہو۔اور وہ مسلمانوں کی قوت بڑھانے میں مستعد ہو۔اس کے برعکس جہاں یہ حال ہو کے حکمرانوں کو اور حکمرانوں کے طبقہ کو اسلام سے الرجی ہو اور اپنی دین بے زاری کی وجہ سے اور کچھ کافروں کے دباؤ سے قانون میں جو کچھ اسلامی شقیں ہیں ان کو بھی ختم کرنے کو تیار ہوں وہاں عمار خان کی بات حکمرانوں پر صادق نہیں آتی۔

جرم کو محیط ماحول اور حالات کی رعایت

عمار خان صاحب لکھتے ہیں:

صحابہ کے واقعات میں ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ اگر کسی مخصوص کیفیت میں کسی شخص نے نبی ﷺ کے ساتھ دشمنی اور عداوت کی نیت سے دیدہ ودانستہ نہیں بلکہ مخاطب کی کسی بات پر بھڑک کر کوئی ایسا کلمہ کہہ دیا جو نبی ﷺ کی توہین کو مستلزم تھا تو انہوں نے اس مخصوص صورت حال کی رعایت سے اسے سزا کا مستوجب نہیں سمجھا۔'' (توہین رسالت کا مسئلہ ص 81)

عمار خان صاحب نے اس مصلحت کے تحت بھی جو کچھ لکھا ہے اس کا ذمی کی توہین رسالت سے کچھ تعلق نہیں ہے۔علامہ سیوطی نے جو واقعہ ذکر کیا ہے وہ بھی ایک مسلمان کا ہے۔

ان سب سے ہٹ کر عمار خان صاحب نے ایک نکتہ یہ لکھا ہے۔

''اگر مجرم کا رویہ اصلا معاندانہ نہ ہو اور اس نے کسی دوسری وجہ سے اشتعال میں آ کر جرم کا ارتکاب کیا ہو تو اس کی بھی رعایت کرنی چاہیے۔'' (توہین رسالت کا مسئلہ ص 87)

عمار خان صاحب مزید لکھتے ہیں:

''جمہور فقہائے احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وقتی کیفیت کے تحت اس جرم کا ارتکاب کرے اور پھر اس پر اصرار کے بجائے معذرت کا رویہ اختیار کرے تو اس سے درگزر کرنا یا ہلکی سزا دینے پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔البتہ اگر توہین رسالت کا عمل سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کی نیت دیدہ ودانستہ کیا جائے یا وہ ایک معمول کی صورت اختیار کر لے تو عدالت کو قتل کی سزا دینے کا اختیار بھی حاصل ہے۔'' (توہین رسالت کا مسئلہ ص 65)

ہم کہتے ہیں

جب آدمی کو معلوم ہو کہ فلاں جرم کرنے پر صرف سزائے موت ہے تو وقتی کیفیت کی صورت میں بھی وہ عام طور سے بے احتیاطی نہیں کرتا ورنہ جرم پر سزا میں زجر کی حکمت ہی نہ رہے۔البتہ عمار صاحب نے یہاں اعتراف کر لیا ہے کہ صرف ایک مرتبہ اعلانیہ سب وشتم کرنے پر بھی سزائے موت دی جا سکتی ہے جب کہ مجرم نے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کی نیت سے دیدہ ودانستہ کیا ہو اور عام طور سے ایسا ہی ہوتا ہے۔یورپ وامریکہ کے پڑھے لکھے اور سیکولر اور حقوق انسانی کے علمبردار جب توہین کی حرکتیں جان بوجھ کر اور کسی اشتعال کے بغیر کرتے ہیں تو ہمارے ہاں کے ذمی بھی ایسا کر سکتے ہیں۔اندلس میں سزائے قتل پانے والے پچاس مرد وعورت کا توہین کرنا باقاعدہ منصوبے کے تحت ہی تو تھا۔

☆......☆......☆......☆

مولانا نور محمد تونسوی

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سربراہان کے نام
کُھلا خط

''فاسد العقیدہ طالب علم۔۔۔۔

(۱)......''وفاق'' کا جو فاضل/فاضلہ صحیح العقیدہ نہ ہوتو بعد از تحقیق صحتِ الزام کی صورت میں اس کو ''وفاق'' کی سند سے محروم کر دیا جائے گا۔

(۲)......ایسے فضلاءِ وفاق جو خدانخواستہ کسی گمراہ تحریک سے وابستہ ہو گئے ہوں اور تحقیق کے بعد اس تحریک کے نظریات ''اہل السنۃ والجماعۃ'' سے واضح متصادم ثابت ہوں تو ضابطہ کے مطابق ان کی سندات منسوخ کر دی جائیں گی۔''

(منظور کردہ اجلاس مجلس عاملہ ۱۵، اگست ۱۹۶۲ء، بمطابق ۳ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ)

(منظور کردہ اجلاس مجلس شوریٰ ۲۳ جون ۲۰۰۳، بمطابق ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ)

ماہنامہ ''وفاق المدارس'' ملتان۔رجب المرجب ۱۴۳۲ھ، جون ۲۰۱۱ء

محترم ومکرم جناب سربراہان وفاق المدارس العربیہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ حضرات نے یہ فیصلہ تو فرما دیا کہ فاسد العقیدہ طالب علم اور کسی گمراہ تنظیم سے وابستہ طالب علم ''وفاق المدارس'' کی سند سے محروم کر دیا جائے گا۔لیکن یہ واضح نہیں کیا گیا کہ کون سا طالب علم صحیح العقیدہ ہے اور کون سا فاسد العقیدہ؟ اور وہ کون سی گمراہی ہے جس کو اپنانے سے ایک طالب علم ''وفاق المدارس'' کی سند سے محروم ہو جاتا ہے؟

مثلاً ہمارے ملک میں دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی، غیر مقلد، پرویزی، چکڑالی، مودودی، کیپٹن مسعود الدین عثمانی کو ماننے والے، جماعت المسلمین، جاوید غامدی اور اس کے افکار کو حلقہ دیوبند میں پھیلانے والا اعمار خان ناصر سواتی اور اس کے پشت پناہ، محمد علوی مالکی کے افکار کی تائید کرنے والے، خاندان بنوامیہ خصوصا سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اور سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے والے، تنظیم فکر ولی اللہی، ذکری، گوہر شاہی، آغا خانی، اشاعتی، مماتی، حیات عیسیٰؑ کے منکر، عذابِ قبر کی صحیح صورت کے منکر،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کا انکار کرنے والے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روح اقدس کا جسد اطہر سے ہر قسم کے تعلق کا انکار کرنے والے، یزیدی، حضور علیہ السلام کے سماع عند القبر الشریف کے قائلین پر کفر اور شرک فتوے لگانے والے اور توسل بالانبیاء والصالحین کی صورت کو شرک کہنے والے، حضور علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کو ناجائز کہنے والے، حضور علیہ السلام کے جسدِ اطہر کو وصفِ نبوت اور وصفِ رسالت سے موصوف نہ سمجھنے والے، برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کی کتاب ''فضائلِ درود'' کو غلط کہنے والے، اجماعِ امت کا انکار والے وغیرہ وغیرہ

اب آپ بتائیں کہ مذکورہ بالا عقائد کے حاملین سب صحیح العقیدہ ہیں یا بعض؟......اور جب تک آپ یہ وضاحت نہیں فرماتے، آپ کا مذکورہ بالا فیصلے پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا واضح فرمائیں کہ کون کون سے طالب علم صحیح العقیدہ ہونے کی وجہ سے سند کے حق دار ہیں، اور کون سے فاسد العقیدہ ہونے کی وجہ سے سند محروم رہیں گے۔؟

معلوم رہے کہ صرف ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کہنے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا، کیونکہ بریلوی حضرات بھی اپنے آپ کو ''اہل سنت'' کہتے ہیں، اسی طرح غیر مقلدین بھی اپنے آپ کو ''اصلی اہل سنت'' کہتے ہیں، منکرین حیات انبیاء بھی اپنے آپ کو ''اہل سنت'' کہتے ہیں۔ لہٰذا ''اہل سنت'' کے عقائد کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔ اُمید ہے کہ توجہ فرما کر جواب باصواب عنایت فرمائیں گے۔

السائل: ابو احمد نور محمد قادری تونسوی......خادم: جامعہ عثمانیہ، ترنڈہ محمد پناہ، تحصیل لیاقت پور، ضلع رحیم یار خان

تیری وجہ سے کوئی طالب علم، علم سے محروم کیوں ہو؟

استاد محترم مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہ العالی [رئیس: دار العلوم مدنیہ، بہاولپور] فرماتے ہیں:

''ہمارے استاد حضرت مولانا علی محمد صاحب رحمہ اللہ کی عادت شریفہ تھی کہ کسی طالب علم کی کوئی بات دل میں نہ رکھتے تھے بلکہ فوراً معاملہ نمٹا دیتے تھے۔

ایک دن نماز کے بعد مدرسہ کی مسجد میں سب کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا ''میں نے سب کو معاف کیا۔'' بعد میں طلباء نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ: ''کچھ طلباء سے مجھے دکھ پہنچا اور میرے دل میں رنجش آ گئی، میں نے سوچا کہ یہ تو طلباء ہیں، پرواہ نہیں کریں گے، اور اگر میرے دل میں رنجش رہ گئی تو ان کا تعلیمی نقصان ہوگا، چنانچہ میں نے اپنے آپ سے کہا ''علی محمد! تیری وجہ سے کوئی طالب علم، علم سے محروم کیوں ہو؟'' پھر میں نے سب کو معاف کر کے معافی کا اعلان بھی کر دیا۔

''شیخ المشائخ نمبر''............اکابرین ومبصرین......کی نظر میں

رائے گرامی......

محقق اہل سنت، وکیل صحابہ واہل بیت **حضرت مولانا محمد نافع صاحب** دامت برکاتہم العالیہ

عزیز محترم سرفراز حسن خان حمزہ صاحب دام شرفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج شریف!

سلام مسنون کے بعد تحریر ہے کہ آپ کی طرف سے مجلّہ صفدر (شیخ المشائخ نمبر) موصول ہوا۔ ارسال فرمانے کا بہت بہت شکریہ!

نمبر ھٰذا مرتب کرنے والوں نے خوب محنت کی ہے اور آنحضرت رحمہ اللہ کے سوانح کے مختلف پہلوؤں کو بہت عمدہ انداز میں فراہم کیا ہے۔ جزاهم الله احسن الجزاء

بندہ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ان اعمال خیر کو قبول فرمائے۔

والسلام مع الدعا......

ناچیز دعا گو محمد نافع عفا اللہ عنہ۔

۲۱ شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ

تبصرہ......

ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور

ازقلم: مولانا عبدالجبار سلفی

حال ہی میں گجرات سے ایک مجلّہ بنام ''صفدر'' ظہور پذیر ہوا ہے۔جس کے مدیر مولانا حمزہ احسانی صاحب ہیں...... مدیر کے بقول یہ مجلّہ ''نومولود'' ہے...... ہم نے جب اس ''نومولود'' کا کارنامہ دیکھا تو حیرت واستعجاب نے دماغ میں دراڑیں ڈال کر رکھ دیں۔خدا جانے عالم شباب اور پھر اس سے آگے، یہ کیا کیا کارنامے سرانجام دے کر ورطۂ حیرت میں ڈالے گا؟

مجلّہ ''صفدر'' امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی یاد میں نکالا جا رہا ہے اور اس نے اپنی پہلی اشاعت میں ہی ۸۶۸ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم ''شیخ المشائخ نمبر'' نکالا ہے۔ جس میں ولی کامل حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ کو اہل قلم نے سلام عقیدت پیش کیا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ اپنے معاصر اولیاء اللہ میں ''سرتاج'' کی حیثیت سے دیکھے جاتے تھے......آپ رحمہ اللہ نے ساری زندگی زبان بند رکھی، مگر کان کھلے رکھے، اور یہی اخلاص کی علامت ہے۔

مجلّہ ''صفدر'' کا یہ تاریخی نمبر حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کے اصولوں اور کارناموں کے حوالے سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے کا پورا استحقاق رکھتا ہے کیونکہ اچھی کتاب اپنی اہمیت وافادیت اور وفا کا صِلہ چاہتی ہے......اور ''وفا'' یہ ہے کہ کتاب کو پڑھا جائے، وگرنہ یہ اپنی افادیت کے منکروں کو معاف نہیں کرتی۔ سلوک واحسان کے حلقوں میں یہ شاہکار محنت، فکری تغیر کا سبب بن سکتی ہے......حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ صرف ''اہل دل'' نہیں، ''اہل علم'' میں بھی آپ کی شان امتیازی تھی۔ ''اہل علم'' فکر پیدا کرتے ہیں، اور ''اہل دل'' انقلاب برپا کرتے ہیں۔ یہی دو چیزیں کارِ نبوت کا حسین تسلسل ہیں......مجلّہ ''صفدر'' نے اسی تسلسل کی ایک جھلک پیش کی ہے۔

اس کتاب میں دس ابواب ہیں۔ ''آغازِ سخن''، ''سوانح''، ''تاثرات وپیغامات''، ''مقالات ومضامین''، ''تحریری خدمات''، منتخب مکاتیب ومضامین''، ''رسائل وجرائد کا خراج تحسین''، ''منظوم خراج عقیدت'' اور ''آئینۂ تحاریر'' جیسے خوبصورت عناوین کے تحت کتاب کو چار چاند لگائے گئے ہیں......مختار مسعود کے بقول ''اچھا انسان، اچھی کتاب اور اچھی گفتگو جہاں میسر آئے اس میں دوسروں کو بھی شریک کرو! ان سے تنہا فائدہ اٹھانا کم ظرفی کی دلیل ہے'' لہٰذا ہم علم دوست احباب سے التماس کریں گے کہ وہ اس کتاب سے خود اور دوسروں کو مستفید و مستفیض کرنے کی سبیل ضرور نکالیں......

قارئین کرام! اپنے ذوق اور دل کو خوش نما لباس پہنانے کے لیے کتاب ہٰذا کا مطالعہ کریں! بہترین ٹائٹل، مضبوط جلد، نفیس کمپوزنگ اور اچھے کاغذ سے تیار کردہ اس کتاب کو حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ کریں۔

تبصرہ......

ماہنامہ ''الحقانیہ'' ساہیوال، سرگودہا

ازقلم: عبدالناصر ترمذی

زیر نظر کتاب مجلّہ صفدر گجرات کی خصوصی اشاعت ہے جو شیخ المشائخ، خواجۂ خواجگان حضرت مولانا

خواجہ خان محمد صاحب قدس سرہ کے مبارک حالات پر مشتمل ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں حضرت اقدس خواجہ صاحب رحمہ اللہ کی سیرت و کردار اور مختلف گوشہ ہائے زندگی پر بڑے احسن اور عمدہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے اور حضرت کی عالمگیر خدمات کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔

حافظ سرفراز (حسن) خان حمزہ صاحب بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے تعلیمی مشاغل کے باوجود کم مدت میں اتنا ضخیم مستند اور معیاری نمبر شائع کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

تبصرہ......

ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ

ازقلم: حافظ شبیر احمد عاجز

اس عالم رنگ و بو میں بیسیوں حضرات کی شہرت کے زمزمے اوج ثریا سے بلند دیکھے، لیکن جو شان وشکوہ شیخ المشائخ خواجۂ خواجگاں حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ کے حصے میں آئی شاید ہی یہ کوتاہ بین نظریں پھر سے اس خوشگوار منظر کا مشاہدہ کر سکیں، بقول شاعر......

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں　　　　یہ بلند رُتبہ ملا جسے مل گیا

حضرت خواجہ صاحب بیک وقت جید عالم دین و دنیا، طریقت کے عدیم المثال شہسوار، مجاہد فی سبیل اللہ، کئی مذہبی ادارہ جات، تنظیمات اور جرائد کے سرپرست اعلیٰ اور خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے سجادہ نشین تھے۔ 5 مئی 2010ء کو یہ عظیم میر کارواں راہی ملک عدم ہوئے۔

سب سے قبل ہم مجلّہ ''صفدر'' گجرات کی انتظامیہ کو اس کے کامیاب اجرائ پر مبارک باد پیش کریں گے، مزید سعادت کی بات کہ پہلا شمارہ ''شیخ المشائخ نمبر'' حضرت شیخ المشائخ کی یاد میں منصۂ شہود پر آیا۔

صاحبزادہ سرفراز حسن خان حمزہ صاحب نے نہایت کم عرصہ میں معلومات کا وسیع خزانہ ہم تک پہنچایا، یہ عمل ان کی محنت شاقہ اور کافی فکر و تلاش پر دال ہے، رسالہ کی حسن ترتیب حمزہ صاحب کے صاحب حسن ذوق ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے، لیکن رسالہ میں بیسیوں اوراق پر بکھرے غیر متعلقہ مواد نے اس کی اہمیت کافی گھٹا دی ہے۔ رسالہ دس ابواب پر مشتمل ہے۔ تمام طبقہائے افراد کے ایمان میں اضافہ کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ طباعت و اشاعت بہت خوبصورت ہے۔

☆......☆......☆......☆